ہمدرد نونہال

1977

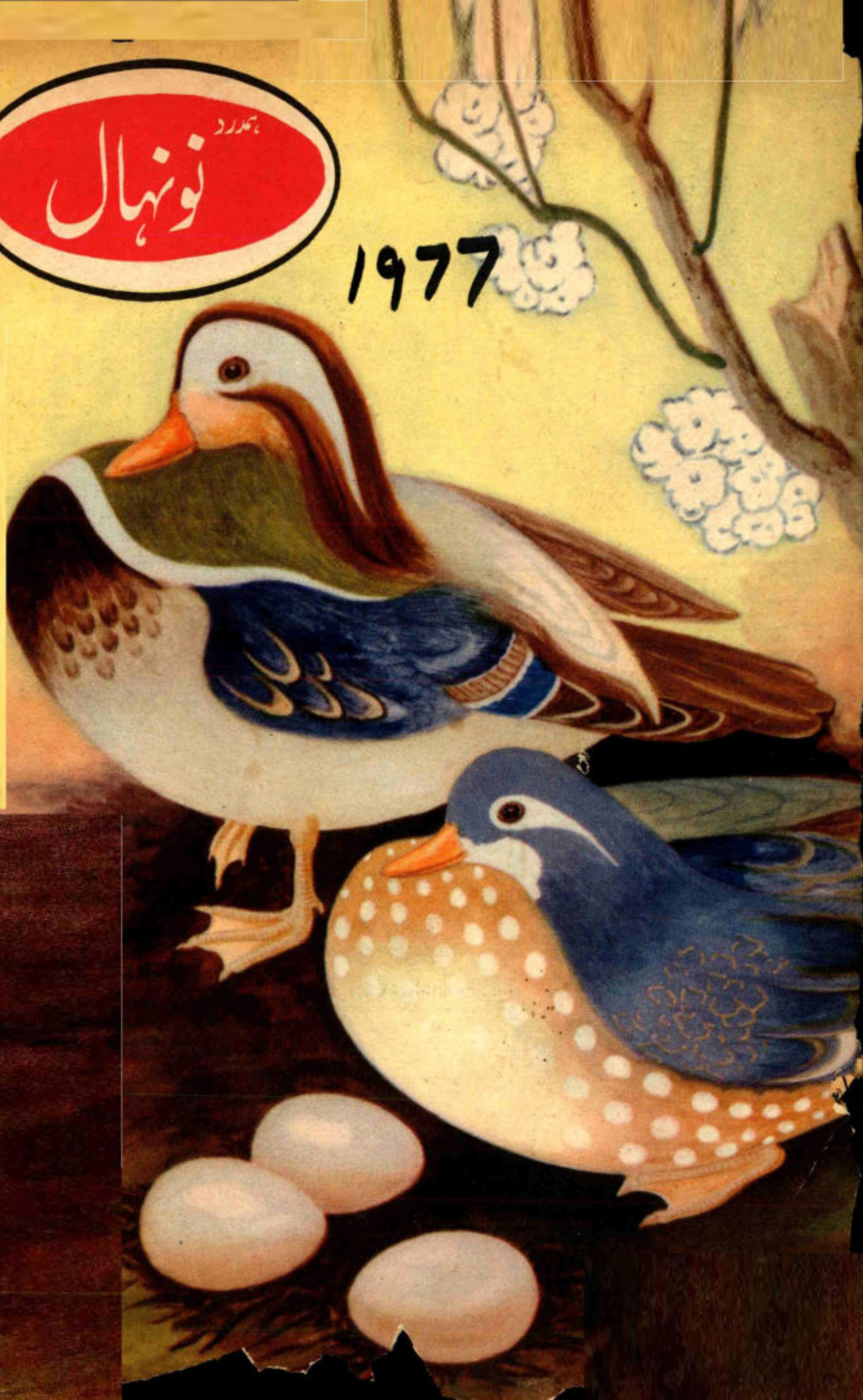

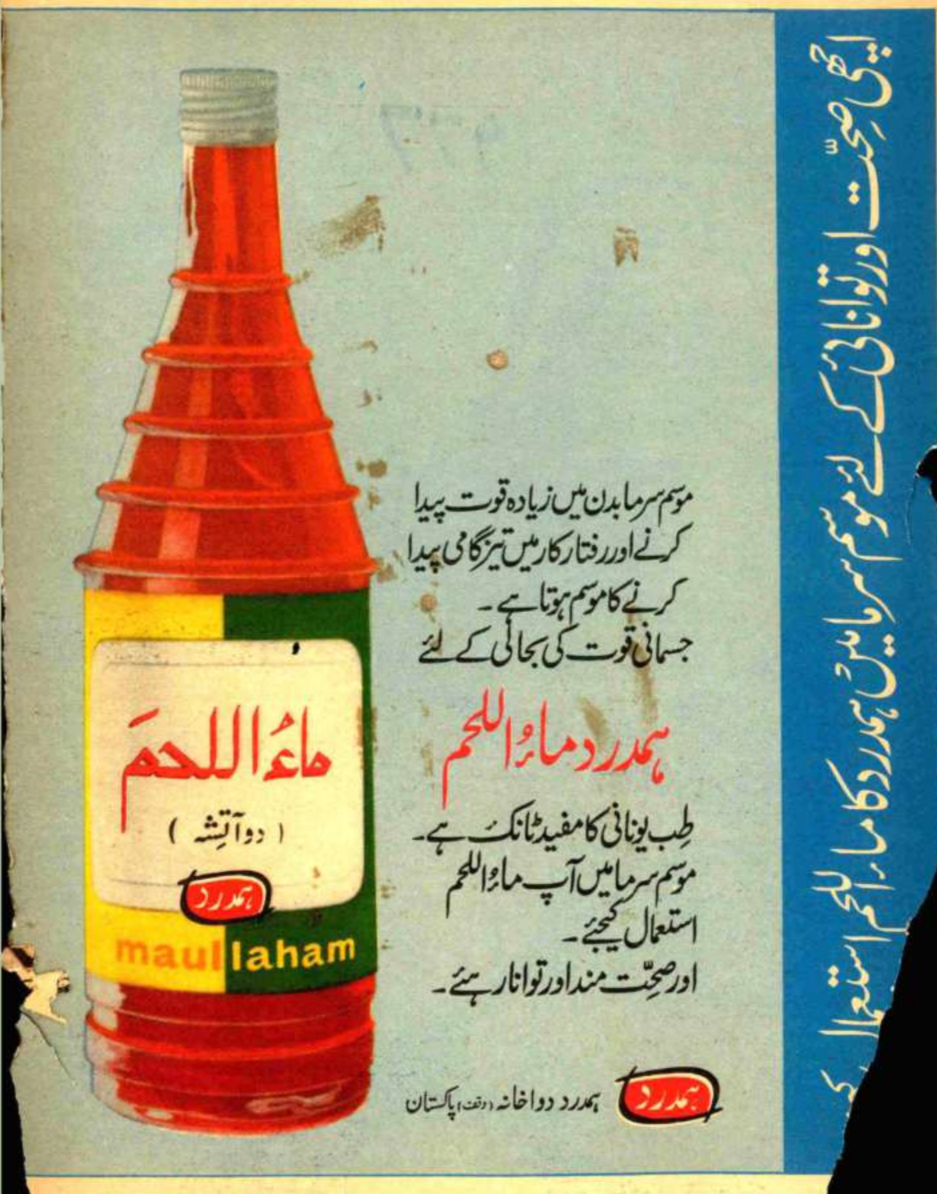
اچھی صحت اور توانائی کے لئے موسم سرما میں ہمدرد کا ماءُاللحم استعمال کی
ماءُاللحم
(دوآتشہ)
ہمدرد
maul laham
موسم سرما بدن میں زیادہ قوت پیدا
کرنے اور رفتارِ کار میں تیزگامی پیدا
کرنے کا موسم ہوتا ہے۔
جسمانی قوت کی بحالی کے لئے
ہمدرد ماءُاللحم
طبِ یونانی کا مفید ٹانک ہے۔
موسم سرما میں آپ ماءُاللحم
استعمال کیجئے۔
اور صحت منداور توانا رہیئے۔
ہمدرد
ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان

ٹیلی فون : ۶۱۶۰۰۱ (۵ لائنیں)

ہمدرد
نونہال

مجلسِ ادارت

حکیم محمد سعید دہلوی — صدرِ مجلس

مسعود احمد برکاتی — مُدیر

حکیم محمد یٰسین دہلوی — مُدیر

محرّم الحرام ۱۳۹۷ ہجری

جنوری ۱۹۷۷ عیسوی

جلد: ۲۵ شمارہ : ۱

قیمت

عام شمارہ : ایک رُپیہ پچاس پیسے

سالانہ : پندرہ رُپے

پتا : ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۱۸

ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن (پاکستان)
نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اِس رسالے میں کیا ہے؟

جاگو جگاؤ	حکیم محمد سعید	۳
پہلی بات	مسعود احمد برکاتی	۵
خیال کے پھول	ننھے گل چیں	۶
کچھ سوالات نئے سال سے (نظم)	جناب شاعر لکھنوی	۷
کارٹون	جناب مشتاق	۸
شرفو صاحب	جناب وقار محسن	۹
خواجہ فریدالدین عطار نے فرمایا	جناب عبداللہ خاور	۱۳
لہو کا رنگ ایک ہے	جناب معراج	۱۷
اسکول کا چور	جناب علی اسد	۱۵
مشرق وسطیٰ کے متعلق دل چسپ معلومات	عصمت علی پٹیل	۳۳
گاڑی بان	جناب قمر علی عباسی	۳۷
بن بلایا مہمان	جناب مناظر صدیقی	۴۹
ہمدرد انسائیکلوپیڈیا	ادارہ	۶۳
اخبار نونہال	ننھے صحافی	۶۷
شام ہمدرد	ادارہ	۶۹
نونہال مصور	ننھے آرٹسٹ	۷۰
صحت مند نونہال	ادارہ	۷۲
معلوماتِ عامہ ۱۲۹	جناب عصمت علی پٹیل	۷۴
رنگ برنگی پھلجھڑیاں	ننھے مزاح نگار	۷۵
بزم نونہال	نونہال پڑھنے والے	۷۷
نونہال ادیب	ننھے لکھنے والے	۸۱
معلومات عامہ ۱۲۷ کے جوابات	ادارہ	۱۰۱
اس شمارے کے مشکل الفاظ	ادارہ	۱۰۸
حلقۂ دوستی	ادارہ	۱۰۹

جاگو جگاؤ

بعض وقت آدمی کوشش کرتا ہے، لیکن
کام یابی نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے اکثر لوگ بددل اور
مایوس ہو جاتے ہیں، لیکن بددل ہو کر کوشش کبھی
نہیں چھوڑنی چاہیئے، کوشش جاری رکھنی چاہیئے،
اس لئے کہ کام یابی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوشش
کا جو نتیجہ کوشش کرنے والا حاصل کرنا چاہتا ہے وہی
حاصل ہو جائے۔ چاہے وہ نتیجہ نہ نکلے جو تم چاہتے تھے،
مگر تم نے کوشش کی، محنت کی، جد وجہد کی،
بس یہی تمہاری کام یابی ہے۔ کام یابی کیا ہے؟ کوشش
کی انتہا یا معراج کا نام کام یابی ہے، لہٰذا جب کسی شخص
نے بھرپور کوشش کر لی تو اس نے کام یابی تو حاصل کر لی،
اب چاہے نتیجہ توقع کے مطابق نہ ہو۔ اور اگر آدمی
کوشش نہ چھوڑے اور مایوس نہ ہو تو نتیجہ بھی ایک نہ ایک
دن توقع اور مرضی کے مطابق نکل آتا ہے۔

تمہارا دوست اور ہمدرد **حکیم محمد سعید**

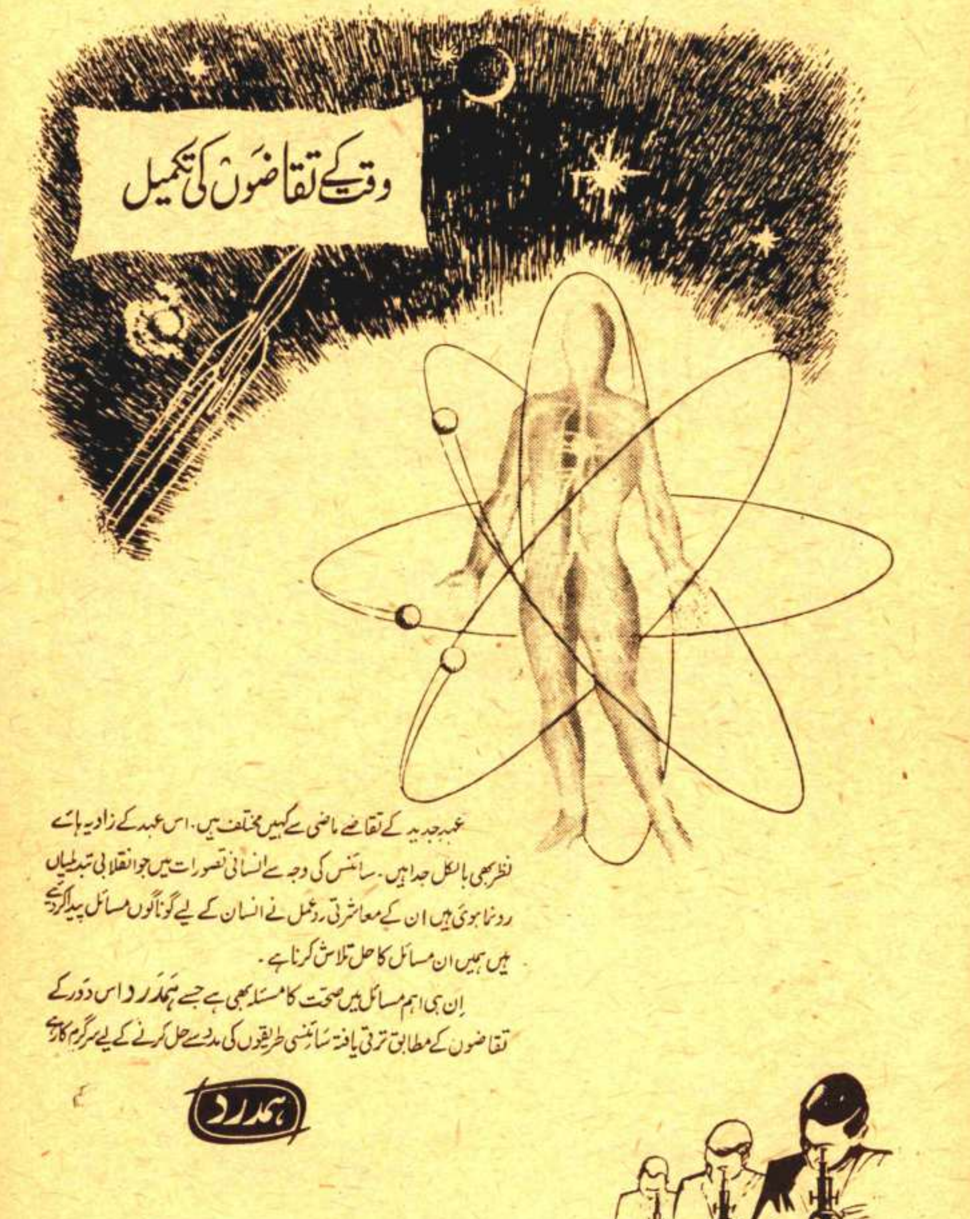
وقت کے تقاضوں کی تکمیل
عہد جدید کے تقاضے ماضی سے کہیں مختلف ہیں۔ اس عہد کے زاویہ ہائے
نظر بھی بالکل جدا ہیں۔ سائنس کی وجہ سے انسانی تصورات میں جو انقلابی تبدیلیاں
رونما ہوئی ہیں ان کے معاشرتی ردعمل نے انسان کے لیے گوناگوں مسائل پیدا کردیے
ہیں ہمیں ان مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔
اِن ہی اہم مسائل میں صحت کا مسئلہ بھی ہے جسے ہَمدَرد اس دَور کے
تقاضوں کے مطابق ترقی یافتہ سائنسی طریقوں کی مدد سے حل کرنے کے لیے سرگرم کار ہے
ہمدرد

مسعود احمد برکاتی

پہلی بات

ہمدرد نونہال کے تمام پڑھنے والوں کو نیا سال مبارک۔

نیا سال نئی امیدیں، نئے ولولے اور نئے عزائم لے کر آتا ہے اور فضا میں زندگی کی نئی لہر دوڑ جاتی ہے۔ فضا کے لفظ پر یاد آیا، کوئی تین مہینے پہلے اخبار میں ایک چھوٹی سی خبر چھپی تھی: فضا کی آلودگی کے نتیجے میں دمے کے مریضوں میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اور کراچی کا ہر چوتھا شہری دمے کا شکار ہو گیا ہے، اس لیے دھواں چھوڑنے والی تمام گاڑیوں کو تنبیہ کی گئی تھی۔ کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ اس شہر کی چوتھائی آبادی کا ایک بہت ہی خطرناک اور موذی بیماری میں مبتلا ہو جانا بڑی ہولناک بات ہے۔ سانس کا مریض ایک اذیت ناک زندگی گزارتا ہے، اس لیے دمے کی کثرت کی خبر دل ہلا دینے کے لیے کافی تھی۔ خیال ہوا کہ شاید اب کراچی کی سڑکوں پر کوئی گاڑی دھویں کے بادل اُڑاتی نظر نہیں آئے گی، لیکن افسوس! ہوا اس کے خلاف۔ کراچی کی ... میں اب بھی دھواں بار ہیں۔ اب بھی دمے اور سرطان کی بیماریاں دھویں کے ذریعے لاکھوں انسانوں کے جسم میں پہنچ رہی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ کون لوگ اس کے ذمّے دار ہیں اور ان کو یہ خیال کیوں نہیں ہے کہ وہ لاکھوں انسانوں کی صحّت سے کھیل رہے ہیں جن میں خود اُن کے بچے بھی شامل ہیں۔ کیا وہ خود اپنے بچّوں کو تباہ کر رہے ہیں۔ چاہے اُنھیں خیال نہ ہو لیکن واقعہ یہی ہے کہ وہ خود اور اُن کے نونہال بھی فضا کی آلودگی کا شکار ہو رہے ہیں۔

اِس فضا کی آلودگی سے انسانوں کو کیسے نجات ملے گی؟ اِس سوال کا جواب ہر شخص کو سوچنا چاہیے۔ ورنہ میں یہ سمجھوں گا کہ ذہن بھی زنگ آلود ہو سکتے ہیں اور ذہن کی آلودگی فضا کی آلودگی سے بھی زیادہ تباہ کُن ہے۔

خیال کے پھول

★ سادگی ایمان کی علامت ہے (آنحضرتؐ)

مرسلہ: ملک آفتاب احمد عرف نفیس، کراچی

★ زبان کو شکوہ شکایت سے بچاؤ، دل کو طمانیت و سکون حاصل ہوگا۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

مرسلہ: رضیہ ارشاد، دوبئی

★ تین چیزیں محبت بڑھانے کا ذریعہ ہیں، اوّل سلام کرنا، دوسرے یہ کہ دوسروں کے لیے مجلس میں جگہ خالی کرنا، تیسرے مخاطب کو بہترین نام سے پکارنا (حضرت عمر فاروقؓ)

مرسلہ: رانا ذوالفقار علی زاہد مجاہد پور

★ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی زندگی اطمینان سے گزرے وہ اپنے دل میں لالچ کو جگہ نہ دے۔
(حضرت داتا گنج بخشؒ) مرسلہ: محمد ہاشم، کراچی

★ خوشی وہی انسان حاصل کرسکتا ہے جو اپنی خواہشات قابو میں رکھے۔ (مہاتما بدھ)

مرسلہ: سردینہ نیلوفر

★ جو قوم بھی لالچ میں پڑی وہ ذلّت کے گڑھے میں جاگری۔ (جلال الدین رومی) مرسلہ: سردینہ نیلوفر

★ اگرچہ انسان کو مقدر سے زیادہ رزق نہیں ملتا لیکن رزق کی تلاش میں سستی نہیں کرنی چاہیے۔ (سعدیؒ)

مرسلہ: نورالسلام صدیقی، کراچی

★ اپنی زبان سے اپنی تعریف کرنا لوگوں کا خیال اپنی طرف سے خراب کرنا ہے۔ (مامون الرشید)

مرسلہ: شگفتہ فرحت، کراچی

★ جو لوگ ورزش کے لیے وقت نہیں نکال سکتے وہ بیماری کو جگہ دیتے ہیں۔ (ابو ریحان البیرونی)

مرسلہ: سید روفی بخاری، میرپور خاص

★ سب سے بڑا اور خطرناک مرض وہ ہے جسے معمولی سمجھا جائے اور اس کے علاج پر توجہ نہ دی جائے (بقراط)

مرسلہ: اعجاز الحق، کراچی

★ جس قوم میں غدّار پیدا ہونے لگیں اس قوم کے مضبوط قلعے بھی گھروندے ثابت ہوتے ہیں۔ (ٹیپو سلطان)

مرسلہ: مراد بخش دلشاد، آب سری، بلوچستان

★ خوشی کے پھول کو زیادہ نہ سونگھا کرو ورنہ اس سے غموں کا رس ٹپکنے لگے گا۔ (رینالڈ)

مرسلہ: یاسمین سلطانہ، کراچی

★ اتحاد جنگ کا سب سے مہلک ہتھیار ہے۔
(نپولین بوناپارٹ) مرسلہ: محبوب علی، حیدر آباد

★ ہر مشکل انسان کی ہمت کا امتحان لینے آتی ہے۔ (بقراط)

مرسلہ: خان متین احمد خاں، لاہور

★ عقلمند انسان کبھی بیٹھ کر اپنی تکلیف کا رونا نہیں روتا بلکہ اپنی تکلیف کے تدارک میں بخوشی مصروف عمل ہوتا ہے۔ (شکسپیئر) مرسلہ: ہما علیم، کراچی

کچھ سوالات
نئے سال سے

شاعر لکھنوی

مقدّر ابھی بند ہے یا کھُلا   ہُوا اپنی قسمت کا کیا فیصلا
تجھے سب ہے معلوم اچھا بُرا
بتا اے نئے سال کچھ تو بتا

تماشے دکھلائے گی کیا زندگی   کہاں جا کے ٹھہرے گا یہ آدمی
رُکے گی کہ برسے گی غم کی گھٹا
بتا اے نئے سال کچھ تو بتا

بڑھی یا گھٹی مانگ ہتھیار کی   ہے کیا شکل قوموں کے بازار کی
کہاں سے کہاں تک ہے یہ سلسلا
بتا اے نئے سال کچھ تو بتا

کُشادہ ترا حوصلہ ہے کہ تنگ   اشارا ترا اَمن ہے یا ہے جنگ
سمیٹے ہے تو اپنی مٹھی میں کیا
بتا اے نئے سال کچھ تو بتا

بکے گا نئے سر سے کس بھاؤ جھوٹ   ملے گی ریاکار کو کتنی چھُوٹ
صداقت کا کیا نرخ ہو گا بھلا
بتا اے نئے سال کچھ تو بتا

اُٹھائے گا زخم اور کتنے سماج   چڑھیں گے گرانی کے کتنے مزاج
چلے گی کِدھر سے کِدھر کو ہَوا
بتا اے نئے سال کچھ تو بتا

گڈو نے ایک سال پہلے تمہیں گینڈا کہا تھا، اور تم اب اسکی شکایت کر رہے ہو؟
انکل، اس لیے کہ میں نے آج ہی چڑیا گھر میں گینڈا دیکھا ہے۔

وقار محسن

شرفو صاحب

آج صبح جب میرے نوکر نے باورچی خانے کی چابیاں پھینکتے ہوئے میری بیوی سے کہا: "بیگم صاب! اپن زیادہ بات سننے کا عادی نہیں ہے کوئی دوسرا نوکر رکھ لو۔" تو بے اختیار شرفو صاحب کی تصویر آنکھوں کے سامنے گھوم گئی۔

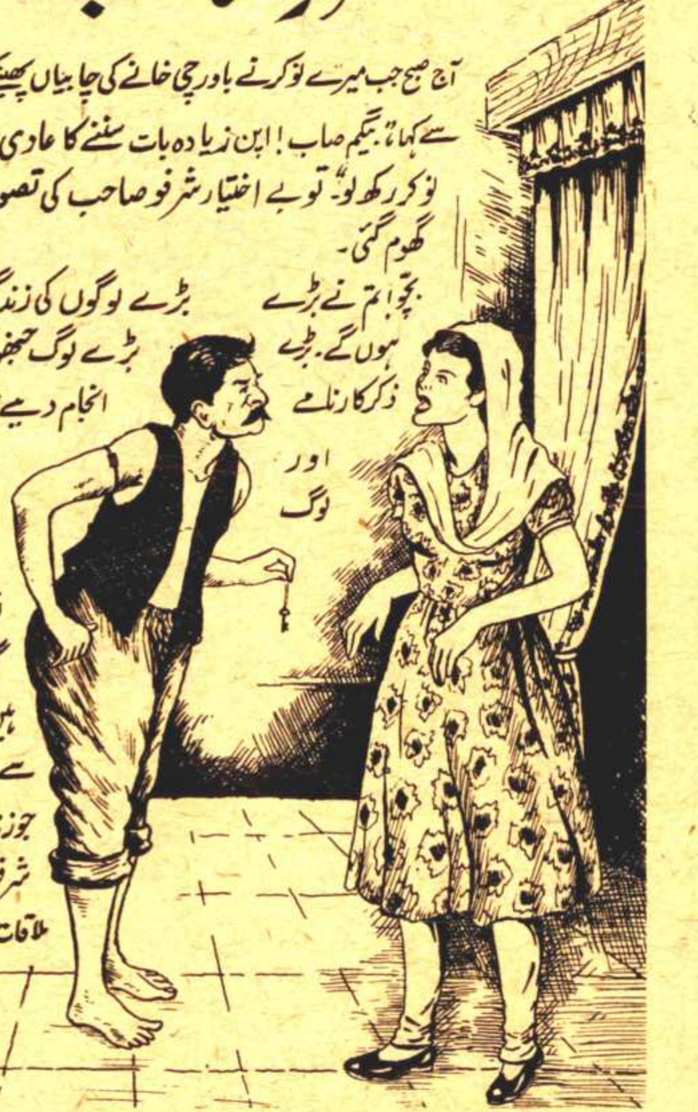

بچو! تم نے بڑے بڑے لوگوں کی زندگیوں کے حالات پڑھے ہوں گے۔ بڑے بڑے لوگ جنھوں نے تاریخ میں قابلِ ذکر کارنامے انجام دیے ہیں۔ ان کے خیالات اور ان کے اعمال سے ہم لوگ بہت کچھ سیکھتے ہیں، لیکن بے شمار ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو بالکل گمنام زندگی گزار جاتے ہیں، پھر بھی اپنے اعمال سے ایسے سبق سکھا جاتے ہیں جو زندگی میں مشعل کا کام دیتے ہیں۔ شرفو صاحب سے ہماری ملاقات علی گڑھ یونی ورسٹی

میں ہوئی۔ علی گڑھ کی زندگی میں جو انوکھاپن ہے اس کو بیان کرنے کے لیے ایک تن درست کتاب درکار ہوگی۔ بس یوں سمجھ لو کہ اس یونی ورسٹی میں ہر طالب علم اس طرح محسوس کرتا ہے جیسے ایک بچّہ اپنی ماں کی گود میں۔ آپ کے چچا، ابو، تایا، دادا یا جو بھی کبھی علی گڑھ میں رہے ہوں۔ ان سے آپ اس بات کی تصدیق کر لیں۔

ہاں تو بات شرفو صاحب کی ہو رہی تھی۔ شرفو صاحب کو ہوسٹل کا خانسامہ یا چوکیدار کہنا کافی نہ ہوگا، کیوں کہ ان کی ذمّے داریاں وارڈن صاحب سے بھی زیادہ تھیں۔ کڑاکے کی سردیوں اور پسینے میں شرابور کرنے والی گرمیوں میں شرفو صاحب فجر کی اذان سے رات کے گیارہ بجے تک پھرکی کی مانند ہوسٹل میں گھومتے نظر آتے۔ ایک سو چھپّن لڑکوں کے اس ہوسٹل میں شرفو صاحب کو ہر لڑکے کا نہ صرف نام یاد رہتا تھا، بلکہ ہر آواز سے ان کے کان مانوس تھے۔ کون کس وقت غسل کر کے ناشتہ کرے گا وہ کبھی نہیں بھولتے۔ جو جس وقت غسل کر کے نکلتا میز پر چائے کی ٹرے میں دو مٹریاں (علیگڑھ یونی ورسٹی کے مخصوص بسکٹ) اور مکھن کی آدھی ٹکیا رکھی ملتی۔

ناشتہ کرنے کے بعد ہم لوگ جلدی جلدی کپڑے بدل کر ہر چیز کمرے میں اسی طرح بے ترتیب چھوڑ کر کلاسوں میں چلے جاتے۔ ہر کمرے کی چابی شرفو صاحب کے پاس ہوتی۔ ناشتے کے برتن دھونے کے بعد وہ کسی کمرے کی دیوار سے ٹیک لگا کر اپنی لال کتاب (لال رنگ کے پلاسٹک کوّر والی ڈائری) میں صبح کے ناشتے کا حساب کتاب درج کرتے۔ اس کے بعد ہر کمرے میں اپنے سامنے جمعدار سے جھاڑو لگواتے اور جو جو چیزیں کمرے میں بے ترتیبی سے بکھری ہوئی ہوتیں اُن کو سلیقے سے رکھ کر کمرہ بند کر دیتے۔

بیڑی کے دھوئیں کے بادل نتھنوں سے خارج کرتے ہوئے وہ بڑبڑاتے رہتے۔

"دیکھو! آج پھر یہ اپنا رجوی (رضوی) صاحب پرس بھول گیا۔ یہ لڑکا نہیں سدھرے گا۔" پرس کو بے نیازی سے کسی موٹی سی کتاب کے اندر رکھ کر وہ دوسرے کمرے کی طرف متوجہ ہوتے۔

"کیوں موتی والا صاحب! اب کیسی طبیعت ہے؟ اور یہ کیا رات کا جوشاندہ ایسے ہی رکھا ہے۔ معلوم نہیں آپ لوگوں کو کب سمجھ آئے گی۔ گھروں سے سینکڑوں میل دور پڑے ہیں

خدا نہ کرے کچھ ہوگیا تو اماں ابا کہیں گے کہ شرفو نے بچوں کا خیال نہ رکھا۔ آپ کلی کریں میں ابھی گرم کرکے لاتا ہوں۔"

یہ اپنائیت تھی ان میں اور یہی وجہ تھی کہ طلبہ کے علاوہ وارڈن اور پروفیسر بھی ان کو شرفو صاحب ہی کہہ کر مخاطب کرتے۔ شرفو صاحب تقریباً ۳۵ سال سے یونی ورسٹی سے وابستہ تھے۔ ان ۳۵ سالوں میں وہ مختلف ہوسٹلوں میں رہے۔ ہزاروں لڑکے ان کے شفیق سائے میں رہ کر چلے گئے۔ وہ لڑکے شاید شرفو صاحب کو بھول جاتے ہوں، لیکن شرفو صاحب کو ہر چہرہ ہمیشہ یاد رہتا۔

وہ بہت فخر سے کہتے:

"کل وہ اپنے جمال صاحب آئے تھے۔ کمرہ نمبر ۴۶ میں تین سال تک رہے۔ اللہ ان کی زندگی رکھے، ڈپٹی کلکٹر ہو گئے ہیں۔ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ ان کو یاد ہے کہ ایک بار انھوں نے مجھ سے تین آنے اُدھار لیے تھے۔ اللہ انھیں خوش رکھے۔"

جن دنوں علی گڑھ کی سالانہ نمائش لگتی تو لڑکوں کے ہاتھ تنگ ہو جاتے۔ ہاتھ تو خیر گھر سے منی آرڈر آنے کے ایک ہفتے کے اندر ہی تنگ ہو جاتا تھا، کیوں کہ منی آرڈر کا پچھتر فی صد حصہ تو پچھلے مہینے کے قرضوں کی ادائیگی میں نکل جاتا تھا۔ پندرہ تاریخ کے بعد پھر شرفو صاحب کی طرف رجوع کرنا پڑتا۔

شرفو صاحب حساب کتاب کے بہت پکے تھے۔ اگر کسی کو ایک آنہ بھی دیتے تو جھٹ اپنی لال کتاب میں درج کر لیتے۔ اگر کسی لڑکے کو یاد نہیں رہتا اور وہ شرفو صاحب کا حساب صاف کیے بغیر ہوسٹل سے چلا جاتا تو وہ خاموشی سے وہ صفحہ موڑ دیتے جس پر اس لڑکے کا نام درج ہوتا۔

ان کی لال کتاب کے زیادہ تر صفحات مُڑے ہوئے تھے۔

نمائش کے دنوں میں ہر رات واپسی پر عہد ہوتے کہ بس اب بہت ہوگیا۔ کل سے نمائش کا خیال بھی ذہن میں نہیں لانا ہے اور سنجیدگی سے اسٹڈی شروع کرنی ہے، لیکن جیسے ہی شام کے چھ بجتے دل میں بے چینی کے آثار پیدا ہونے لگتے۔ جب تڑپ برداشت سے باہر ہو جاتی اور کتابوں کے الفاظ میں سے بھی کباب پراٹھے کی خوشبو آنے لگتی تو شیروانیوں

کے بٹن دُرست کرتے ہوئے کل سے نہ جانے کا عہد کر کے نمائش کی طرف نکل جاتے۔
پلک جھپکتے ہی رات کے گیارہ بج جاتے۔ اب وکٹوریہ گیٹ کا مسئلہ بھی پُل صراط پار کرنے سے کم نہ ہوتا، کیوں کہ گیٹ پر چچا شمسُ الحسن رجسٹر کو لیے بیٹھے ہوتے جس میں ہر لڑکے کو ہوسٹل میں داخل ہونے کا وقت درج کرنا ہوتا اور یہ رجسٹر صبح وارڈن کے سامنے پیش ہوتا۔ اس مرحلے پر بھی شرفو صاحب کام آتے۔ چچا شمس الحسن کو وہ بڑی کے دھوئیں کے چھلّوں اور اپنی لچھے دار باتوں میں اس طرح اُلجھاتے کہ ہم صاف وہاں سے نکل جاتے۔

لنچ اور ڈنر کے اوقات میں شرفو صاحب اپنے دونوں ماتحتوں کو ہدایات دیتے جاتے:

"نتّو! کمرہ نمبر ۵۶ میں امجد صاحب کے تین مہمانوں کا کھانا بھی لے جانا ہے۔ امجد صاحب کے بھائی آئے ہیں سندیلے سے۔"

"اماں رحمت! وہ مچان پر مٹکی میں گھی رکھا ہے شرما جی کا۔ ان کے کھانے میں بگھار دینا مت بھولنا۔"

کسی کمرے سے آواز آتی تو جھاڑن کندھے پر ڈال کر لپکتے:

"آیا سید صاحب! نان لاؤں یا چپاتی؟"

دوپہر کے کھانے کی اس گہما گہمی میں تین بج جاتے اور پھر کچھ دیر نیم کے درخت کے نیچے لیٹ کر ایک دو بیڑی پینے کے بعد شام کی چائے کی تیاری میں لگ جاتے۔

شرفو صاحب کی ایک خاص عادت تھی کہ وہ بڑی سی بڑی پریشانی کو قہقہے میں اُڑا دیتے۔ اُن کو گٹھیا کا مرض تھا۔ سردیوں میں دونوں گھٹنوں پر کپڑا باندھے رہتے۔ ایک بار میں نے ان سے کہا کہ طبّیہ کالج کے پرنسپل صاحب کو دکھا دیں تو وہ قہقہہ لگا کر کہنے لگے "محسن صاحب! درد تو خالی بیٹھنے پر محسوس ہوتا ہے۔ اور اگر درد نے زیادہ پریشان کیا تو گھٹنوں کے اسکرو نکلوا کر پلاسٹک کی خوبصورت سی ٹانگیں فٹ کروا لوں گا۔ قد بھی فاروقی صاحب کی طرح چھ فیٹ کا ہو جائے گا۔"

بچّو! اب تم ہی بتاؤ کہ شرفو صاحب کو میں خدمت گار کہوں یا مُعلّم؟

خواجہ فریدالدّین عطّارؒ فرماتے ہیں

عبداللہ خاورؔ

خواجہ فریدالدین عطارؒ بہت بڑے صوفی بزرگ، شاعر اور معلّمِ اخلاق گزرے ہیں۔ ان کا انتقال ۶۲۰ھ میں ہوا۔ شیخ سعدیؒ کی طرح خواجہ عطار کی کتابیں بھی درسِ اخلاق اور نصیحتوں پر مشتمل ہیں۔ آپ نے ساری زندگی عبادت، خدمتِ خلق اور تعلیم و تربیت میں گزاری۔ آپ کی کتابیں منطق الطیر اور پند نامہ بہت مشہور ہیں۔ یہ کتابیں اپنے دینی، دُنیوی اور اخلاقی مضامین کی وجہ سے اتنی مفید اور اہم ہیں کہ سینکڑوں سال گزر جانے کے بعد بھی اب تک مقبول ہیں اور بہت سے مدرسوں کے کورس میں شامل ہیں۔

پند نامہ اچھی اچھی نصیحتوں کا لازوال ذخیرہ ہے۔ اس میں نیک آدمی بننے کی تعلیم دی گئی ہے اور زندگی کی جدوجہد میں کام یاب ہونے کے گُر بھی بتائے گئے ہیں۔ کتاب مختصر ہے۔ نظمیں بھی چھوٹی چھوٹی ہیں اور خواجہ صاحب نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ ہر نظم میں گنتی کی نصیحتیں ہوں، کسی میں چار، کسی میں آٹھ اور ان کا انداز اتنا سادہ اور یقینی ہے کہ نصیحتیں فوراً یاد ہو جاتی ہیں پھر اُن پر عمل کرنے کو جی چاہتا ہے۔

ان کی نظموں کے چند موضوعات دیکھیے:

۱۔ چار عادتیں جو بادشاہوں کے لیے ضروری ہیں (۲) چار عادتیں جو عزت دار بناتی ہیں (۳) چار عادتیں جو خوش قسمت بناتی ہیں (۴) چار عادتیں جو بدقسمت بناتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

بعض نظموں میں پانچ چھ اور آٹھ نصیحتوں کا التزام ہے۔ چند موضوعات یہ ہیں:

(۱) پانچ چیزیں جو مقبول بناتی ہیں (۲) چھ چیزیں جو زندگی میں ہمیشہ کام آتی ہیں۔
(۳) آٹھ عادتیں جو ذلت لاتی ہیں۔

غرض پند نامہ ایسی نصیحتوں کا انسائیکلوپیڈیا ہے جو ہر عمر اور ہر طبقے کے انسانوں کو ہر قدم پر کام یابی اور مسرت عطا کرتی ہے۔

پند نامے کا مختصر تعارف کرانے کے بعد ہم خواجہ عطار کی ایک ایسی نظم کا ترجمہ تھیں سناتے ہیں جس کے لیے انھوں نے خود لکھا ہے کہ اس میں دُنیوی اور دینی کام یابی کی آزمائی ہوئی نصیحتیں ہیں۔ بعض نصیحتوں کی وجہ بظاہر تمھیں سمجھ میں نہ آئے گی، لیکن اسے وہم نہ سمجھنا، کیوں کہ یہ نصیحتیں بزرگوں کے صدہا سال تجربوں کا نچوڑ ہیں۔

اب ہم خواجہ عطار کی اس نظم کا ترجمہ پیش کرتے ہیں:

بیٹے، صبح کے وقت نہ سویا کرو، اس سے مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے اور بُری عادتیں اختیار کرنے والا بن جاتا ہے۔ دن کے آخری حصے میں خصوصاً غروبِ آفتاب کے وقت بھی نہ سویا کرو۔ سمجھ لو کہ شام سے پہلے سونا بہت بُرا ہے۔ طبیبوں کے نزدیک دھوپ اور سائے کے درمیان سونا بھی صحت کے لیے مُضر سمجھا جاتا ہے۔ تھیں اس طرح نہ لیٹنا چاہیے کہ جسم کے کچھ حصّے پر دھوپ ہو اور کچھ پر سایہ۔

بیٹے، سفر پر تنہا نہ جایا کرو۔ اس میں بہت سے خطرات ہیں۔ کبھی غصّہ آئے تو منھ نہ پیٹا کرو۔ اسے بہت سے عالموں نے نحوست کہا ہے۔ رات کو آئینہ نہ دیکھا کرو۔ اگر گھر میں اندھیرا چھا جائے تو تمھارے پاس کسی کو موجود رہنا چاہیے۔ ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ لگا کر بیٹھنا بڑی عادت ہے۔ جب چوپائے قطار لگا کر گزر رہے ہوں تو ان کے درمیان سے ہرگز نہ گزرو۔

اگر تم چاہتے ہو کہ تمھاری چاہت، قدر اور عزّت بڑھتی رہے تو خُدا کے حضور ہمیشہ دعائیں کرتے رہو — اگر تم چاہتے ہو کہ تمھاری عمر زیادہ ہو تو چُھپا کر خیرات یا نیکی کیا کرو۔ اگر چاہتے ہو کہ روزی میں برکت رہے اور مال و دولت کم نہ ہو، تو گناہوں سے بچتے رہو۔ یاد رکھو کہ جو کوئی گناہ کرتا ہے تو خدا سب سے پہلے اس کا رزق گھٹاتا ہے۔ جھوٹ بولنے سے بھی روزی کم ہو جاتی ہے۔ یاد رکھو دروغ کو فروغ

نہیں ہوتا۔ بہت زیادہ سونا فاقہ کشی میں مبتلا کرتا ہے۔ لہٰذا سوؤ کم اور بیدار زیادہ رہو۔ ننگا سونا یقینی بدنصیبی لاتا ہے۔ پاخانہ اور پیشاب کے لیے ننگا ہو کر جانا غریبی کا سبب بنتا ہے اور بڑھاپا جلد لاتا ہے۔ اور اُس وقت منھ میں کوئی کھانے کا ریزہ وغیرہ لیے رہنا اور اسے چباتے رہنا سخت معیوب اور باعثِ بدبختی ہے۔

گھر میں رات کے وقت جھاڑو ہرگز نہ دو۔ جھاڑو کو دروازے میں نہ رکھو۔ اگر تم اپنے ماں باپ کو نام لے کر پکاروگے تو اللّٰہ کی نعمتیں تم پر حرام ہو جائیں گی۔

ہر لکڑی اور تنکے سے دانت کُریدنا بُرا ہے۔ اس سے آدمی بے وقوف ہو جاتا ہے اور وبال میں پڑ جاتا ہے۔

اے بیٹے، گھر کے دروازے پر مت بیٹھا کرو، اس عمل سے بھی روزی کم ہو جاتی ہے۔ دروازے کے پہلو سے ٹیک لگا کر بیٹھنا بھی اسی طرح بدبختی کی نشانی ہے۔ یہ عادت ہمیشہ کے لیے ترک کر دو۔

اگر کپڑا پھٹ جائے تو اُسے پہنے پہنے مت سلواؤ۔ بڑوں سے ہر کام دُرست طریقے سے کرنا سیکھو۔

کرتے یا قمیض کے دامن سے منھ پونچھنا بھی رزق کم کرتا ہے۔ اس سے بچو، رُومال استعمال کیا کرو۔

بازار صرف ضرورت سے جایا کرو اور وہاں سے جلد از جلد واپس آیا کرو۔

چراغ منھ پھونک کر نہ بجھایا کرو۔ چراغ کا دھواں دماغ کے اندر نہ جانے دو۔ اس سے دُور رہو۔

دوسروں کا کنگھا مت استعمال کرو۔ اپنا کنگھا الگ رکھو۔ فقیروں سے آٹا یا روٹی نہ خریدو اس سے بھکاری پن ساتھ آتا ہے۔

گھر کے اندر سے مکڑی کے جالے صاف کر دیا کرو۔ اس کے رہنے سے نقصان ہوتا ہے اور بیماری آتی ہے۔

حساب بنائے بغیر خرچ نہ کرو اور اندازے سے زیادہ صرف نہ کرو۔

خشک بالوں میں کنگھا نہیں کرنا چاہیئے۔

جہاں تک ممکن ہو خرچ میں تنگی نہ کرو۔
جب تمھارے پاس سواری موجود ہو تو پیدل سفر مت کرو۔

چند اور نصیحتیں

جس شخص میں یہ تین عادتیں ہوں وہ انسانوں میں مقبول نہ ہوگا، بلکہ ناپسندیدہ ہوگا۔

(۱) جھگڑے اور فساد کو پسند کرنا۔
(۲) دوسروں کو چھیڑ کر غصہ دلانا اور خود خوش ہونا۔
(۳) سیدھے راستے پر اس طرح چلنا کہ ہر قدم ٹیڑھا پڑے۔

چار چیزیں احمق ہونے کی نشانی ہیں انھیں ترک کر دو۔

(۱) اپنے عیب کو عیب نہ سمجھنا اور دوسروں کے عیب تلاش کرتے رہنا۔
(۲) خود کنجوسی کرنا اور دوسروں سے فیاضی کی اُمید رکھنا۔
(۳) اخلاق کا بُرا ہونا۔ اس سے آدمی کی قدر نہیں رہتی۔ یہ اس بات کی نشانی ہے کہ خدا بھی اس سے ناخوش ہے۔
(۴) اپنی طبیعت جو چاہے اُسے کر گزرنا۔

اچھے اخلاق اِن چار ذرائع سے پیدا ہوتے ہیں:

(۱) علم کی عزّت اور ادب کرتے رہنا۔
(۲) شیریں کلام کرنا۔ دوسروں سے مُروّت اور لحاظ سے بات کرنا۔
(۳) اپنے سے زیادہ عقل مند اور عالم کی صحبت اختیار کرنا۔
(۴) دشمن کی راہ سے دور رہنا۔ اسے تلاش کرنے کے بجائے اسے بھلانے کی کوشش کرنا۔

معراج

لہو کا رنگ ایک ہے

انور کا اچھے لڑکوں میں شمار ہوتا تھا، البتہ اس کی ڈرائینگ بہت خراب تھی۔ اس کی بنائی ہوئی تصویروں سے کہیں زیادہ بہتر تصویریں تو بچے بنا سکتے ہیں۔ اس کا اُستاد تو اُس کی ڈرائینگ کی کاپی دیکھتے ہی ناک سکوڑ کر کہتا "لاحول ولا قوۃ۔ یہ تم نے صُراحی بنائی ہے یا ڈھول؟ یہ خربوزہ بنایا ہے یا تربوز؟ اِس مُرغ کو تو تم نے شتر مُرغ ہی بنا ڈالا، اور یہ مولا بخش بنایا ہے؟ اوہو میں اب سمجھا، دراصل تم نے کیلا بنانے کی کوشش کی تھی۔"

بے چارے انور کو روز ہی استاد سے ڈانٹ پڑتی، لیکن وہ ڈرائینگ میں پھسڈی ہی رہا۔ اگر کبھی ڈرائنگ ماسٹر صاحب نقش لگار بنانے کے لیے کہتے تو اکثر لڑکے بہت ہی خوش نما بیل بوٹے بنا لاتے۔ بعض تو بہت ہی سادہ ہوتے مثلاً:

ان ہی دائروں میں جب رنگ بھر دیا جاتا تو بہت ہی خوش نما بیل بُوٹے بن جاتے بعض بیل بوٹے بہت پیچیدہ ہوتے تھے۔ ایک بچے نے ابجد سے یہ خاکہ بنایا:

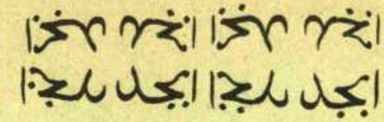

حطی اور کلمن کے نمونے بھی بہت دل کش تھے۔

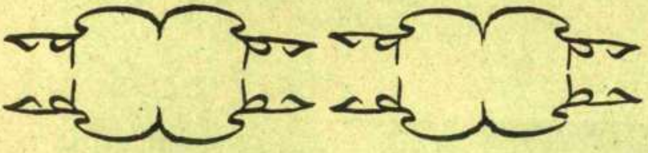

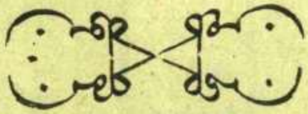

انور یہ بیل بوٹے دیکھ کر حیران ہوتا، لیکن اس کے ذہن میں کبھی یہ بیل بوٹے اور نقش نگار بنانے کی ترکیب آہی نہ سکی۔ ایک دفعہ انور نے کوشش بھی کی، لیکن اُس کا بنایا ہوا نمونہ ایسا بھدّا تھا کہ جس نے بھی دیکھا اُس نے خوب ہی مذاق اُڑایا۔ بے چارہ انور دل شکستہ ہو کر بیٹھ گیا۔

بد قسمتی سے اس ہفتے ماسٹر صاحب نے "گھر کا کام" میں بھی یہی لہریئے دار نقش نگار اور بیل بوٹے بنانے کو دیے۔ ماسٹر صاحب نے کہا "تم میں سے جو لڑکا سب عجیب اور خوش نُما نقش بنا کر لائے گا، میں اُسے خاص انعام دوں گا۔"

انور نے گھر جا کر ڈرائینگ کی کاپی نکالی، پنسل ہاتھ میں لی اور کوئی خوب صورت سا نقش سوچنے لگا۔ بہت دیر تک مغز کھپانے کے بعد بھی اس کے ذہن میں کچھ نہ آسکا۔ وہ سوچنے لگا "حساب کے سوالات نکالنے میں بہت تیز ہوں، تاریخ جغرافیہ میں ہمیشہ اوّل آتا رہا۔ اُردو اور انگریزی میں بھی اچھے لڑکوں میں میرا شمار ہوتا رہا، لیکن وائے افسوس! میں اس منحوس ڈرائنگ میں ہمیشہ سے پھسڈی ہی رہا۔ میں جتنی محنت کرتا ہوں اتنا ہی خراب نقش بنتا ہے۔ شاید میں ڈرائنگ میں ہمیشہ ہی نکما اور نالائق رہوں ؟"

"بٹیا انور۔"
انور نے چونک کر دیکھا، یہ اس کی ماں تھی ـــــ "بیٹا آج تم بہت فکرمند نظر آ رہے ہو کیا بات ہے؟"
انور روہانسا ہو کر بولا، "امّی جان میں بہت دیر سے کوئی عمدہ سا نقش یا بیل بوٹا سوچ رہا ہوں، لیکن شاید میرے ذہن نے کام کرنا بند کر دیا ہے۔ بالکل بھی ذہن میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کروں؟"
ماں ہنس کر بولی، "واہ بیٹے اس میں فکرمند ہونے کی کیا بات ہے؟ جب کوئی بات ذہن میں نہیں آ رہی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تم کچھ دیر سیر تفریح کرو تاکہ ذہن کی تھکاوٹ دُور ہو جائے اور بیٹے ہر وقت پڑھتے رہنا بھی تو صحت کے لیے مُضر ہے۔ جاؤ میرے چندا اب کچھ دیر شہر سے باہر گھوم پھر آؤ۔"
انور نے کپڑے پہنے۔ سخت سردی ہو رہی تھی، اس لیے کوٹ کے اوپر اوور کوٹ پہنا۔ سر پر کھال کی ٹوپی اوڑھی مفلر لپیٹا، پاؤں میں موزے ڈالے اور اُن پر فُل بوٹ پہنے اور سیر کو نکل کھڑا ہوا۔
انور نے سوچا کہ سیر و تفریح کے لیے گھر کے قریب ہی جنگل میں جانا چاہیے، کیوں کہ جنگل میں درخت بالکل پاس پاس اُگے ہوئے تھے اور اس میں پُراسرار سا سناٹا رہتا تھا۔
وہ جنگل میں تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ اس نے ایک عجیب سی چیز دیکھی۔ یہ برف کا بنا ہوا ایک پیالہ نما مکان تھا، بالکل ننھّا منّا سا۔ برف کی دیواریں تھیں اور برف ہی کی بنی ہوئی دھوئیں کی چمنی۔ دروازہ تو تھا نہیں، ہاں اس کی جگہ سپاٹ سا راستہ بنا ہوا تھا۔

انور حیرانی سے بولا "یہ مکان میں نے یہاں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ پتا نہیں اسے کس نے بنایا ہے۔ اس میں رہتا تو کون ہوگا؟"

انور نے مکان میں جھانک کر دیکھا، لیکن اسے کچھ نظر نہیں آیا۔ تب اس نے موکھے میں سے جھانک کر دیکھا۔ اندر ایک لمبی ڈاڑھی والا بونا بیٹھا ہوا ڈرائنگ کے کاغذ پر بیل بوٹے کے نمونے بنا رہا تھا۔

انور نے حیرت کہا، "کیا واقعی تم بونے ہو یا میں خواب دیکھ رہا ہوں!"

بونا قہقہہ لگا کر بولا "واہ بھئی واہ، یہ بھی کوئی بات ہوئی بھلا۔ تمھارے سامنے اچھا خاصا بیٹھا ہوا تو ہوں۔ کہیئے میاں صاحب زادے، ابھی یقین آیا یا نہیں؟"

انور جھینپ کر بولا "جی ہاں۔"

بونا بولا "تو اندر آجاؤ نا۔ باہر کھڑے کیا کر رہے ہو۔ دیکھو میاں، میں حکیم بربروس، بچوں کو نیکی اور بھلائی کا راستہ دکھانے والا اور اُن کے دلوں میں سے غلط قسم کے خیالات نکال لینے کا ماہر۔"

انور نے میز پر بکھرے ہوئے بیل بوٹے اور طرح طرح کے نقش نگار دیکھے تو وہ تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا "واہ کیسے خوب صورت نقش اور بیل بوٹے ہیں۔ حکیم صاحب! یہ آپ نے بنائے ہیں؟"

حکیم بربروس نے کہا "ہاں بھئی، مجھے ڈرائنگ کا جنون کی حد تک شوق ہے، اور ہاں برخوردار مجھے یقین ہے کہ تم اِس فن میں بالکل کورے ہو۔"

انور نے شرمندہ ہو کر کہا "بجا فرمایا آپ نے۔"

حکیم بر بروس ہنس کر بولے، "حالاں کہ ڈرائینگ کوئی مشکل نہیں، اور یہ نقش نگار اور بیل بوٹے بنانا تو بہت ہی آسان کام ہے۔"

انور نے ایک بہت ہی خوب صورت نمونے کو دیکھا تو بے اختیار داد دیے بغیر نہ رہ سکا، "کیا خوب صورت نمونہ ہے۔ آپ کو اس کا خیال کیسے آیا؟ مجھے تو شاید زندگی بھر اس کا خیال نہ آتا۔"

حکیم بر بروس ہنس کر بولے، "برخوردار یہ ڈیزائن تو جنگل میں بے شمار بکھرے پڑے ہیں۔ جب بھی مجھے ضرورت ہوتی ہے میں باہر جا کر انھیں اکٹھا کر لیتا ہوں۔"

انور حیرانی سے بولا، "جنگل سے گزر کر تو میں بھی آ رہا ہوں مجھے تو وہاں ڈیزائن بکھرے ہوئے کہیں بھی نظر نہیں آئے۔ مہربانی فرما کر مجھے اس جگہ کا صحیح صحیح پتا بتائیے تاکہ دو چار نمونے میں بھی اٹھا لاؤں۔" حکیم بر بروس نے کہا، "میں نے یہ نمونے برف کے گالوں سے نقل کیے ہیں۔"

انور اور زیادہ حیرانی سے بولا، "برف کے گالوں سے؟ میں نے تو آج تک نہیں دیکھا کہ روئی کی طرح سفید برف کے گالے بھی کوئی ڈیزائن بناتے ہوں؟"

تب حکیم بر بروس قہقہہ مار کر ہنسے اور بولے، "تم نے آج تک برف کو اچھی طرح دیکھا ہی نہیں۔ دراصل ہر برف کا ذرّہ اپنے اندر ایک نیا ڈیزائن رکھتا ہے۔"

انور بولا، "میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آیا۔"

حکیم بر بروس نے کہا، "پتا نہیں تمھارے اسکولوں میں کیا سکھایا جاتا ہے، ہمارے اسکولوں میں تو قدرت کے مناظر کا مشاہدہ کرنا سکھایا جاتا ہے۔ خیر، اب میں تمھیں بتاتا ہوں۔

تم نے برف گرتی ہوئی دیکھی ہے کبھی ؟"

انور بولا، "جی ہاں، برف تو اب بھی گر رہی ہے۔"

حکیم بربروس بولے، "بالکل ٹھیک۔ اب سنو، برف کا ہر گالا بے شمار ذرّوں سے مل کر بنا ہے اور ہر ذرہ ایک مکمل نمونہ ہوتا ہے، لیکن عجیب بات ہے کہ دو نمونے کبھی ایک شکل کے نہیں ہوتے۔ البتہ ایک بات سب میں شامل ہے۔ وہ یہ کہ سب نمونے شش پہلو (چھ کونے والے) ہوتے ہیں۔ تم خُردبین سے دیکھو گے تو سب بات خود بہ خود تمہارے ذہن میں آجائے گی۔"

وہ دونوں جنگل میں گئے۔ برف باری ہو رہی تھی۔ حکیم بربروس نے سیاہ ریشم کے ایک ٹکڑے پر برف کا ایک گالا رکھ دیا، پھر اُنھوں نے اپنی جیب سے ایک مُکبِّر عدسہ (بڑا کرکے دکھانے والا شیشہ)

نکالا اور انور سے دیکھنے کے لیے کہا۔ انور نے دیکھا کہ برف کا گالا بے شمار ذرّوں سے مل کر بنا ہے۔ ہر ذرہ ایک علاحدہ ڈیزائن بنا رہا ہے، ہر ڈیزائن ایک سے ایک خوب صورت ہے۔ نہ کوئی نمونہ چار کونے والا ہے نہ پانچ کونے والا، سب کے چھ کونے ہیں۔

حکیم بربروس نے ایک عجیب سا کیمرہ نکالا اور کھٹا کھٹ تصویریں لینے لگے۔

حکیم بربروس انور کو اپنے گھر لے گئے۔ اُنھوں نے اپنے کیمرے سے اُتاری ہوئی بے شمار نت نئی اور قسم قسم کی تصویریں انور کے سامنے پھیلا دیں اور پوچھا، "بتاؤ کون سا نمونہ زیادہ خوب صورت ہے ؟"

انور پریشانی سے سر کھجانے لگا، کبھی وہ ایک نمونے کو خوب صورت سمجھتا، کبھی دوسرے کو

آخر بہت دیر بعد اُس نے کہا، "حکیم صاحب میرے نزدیک تو سبھی نمونے یکساں خوبصورت ہیں۔"
حکیم صاحب نے خوش ہو کر کہا، "بالکل صحیح، بالکل ٹھیک۔ برخوردار قادرِ مطلق نے ہر انسان کو ایک ہی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ یہ خود انسانوں نے خوب صورت اور بد صورت کا فرق پیدا کیا ہے ورنہ خدا تعالیٰ کی نظروں میں سب انسان یکساں ہیں۔"
حکیم بربروس ٹہلتے ہوئے ایک کھڑکی کے پاس پہنچے اور کہنے لگے، "دراصل جسمانی عیب یا نقص انسان کی ترقی کا راستہ نہیں روک سکتا۔ جسمانی نقص رکھنے والے کتنے ہی انسان ایسے ہیں جو زمانے میں مشہور ہوئے۔ تم ذرا اِدھر آؤ میں تمھیں ایک دل چسپ نظارہ دکھاؤں۔"
انور نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ سامنے ایک وسیع میدان تھا۔ بہت سے لوگ قطار در قطار میدان سے گزر رہے تھے۔ عجیب بات یہ تھی کہ کوئی شخص لنگڑا تھا، کوئی کانا، کوئی ٹھنگنا اور کوئی موٹا۔ غرض ہر ایک میں کوئی جسمانی عیب ضرور موجود تھا۔
حکیم بربروس نے اشارے سے بتایا، "وہ دیکھو، وہ لنگڑا کس شان و شوکت سے گھوڑے پر سوار چلا جا رہا ہے۔ جانتے ہو وہ کون ہے؟۔ نہیں جانتے؟۔ اچھا سنو وہ تیمور لنگ ہے ـــ اوہو ہو، اِدھر دیکھو یہ فاتح کس شان سے ہندستان میں داخل ہو رہا ہے ـــ یہ قطب الدین ایبک ہے۔
وہ۔ وہ دیکھو اُس شخص کے ہاتھ کتنے لمبے لمبے ہیں۔ وہ خلجی دراز دست ہے، یعنی لمبے لمبے ہاتھوں والا خلجی۔ اس نے بنگال کو صرف سات آٹھ سپاہیوں کی مدد سے فتح کیا تھا۔"
کچھ دیر بعد اُن کے سامنے سے لمبے لمبے بالوں، لمبی ڈاڑھی، چیچک زدہ چہرے اور کانی آنکھ والا شخص گزرا۔ حکیم بربروس نے کہا، "یہ رنجیت سنگھ ہے۔ اس شخص نے پنجاب کی سرزمین پر حکومت کی تھی۔"
حکیم بربروس نے دوسری کھڑکی کھولی اور کہا، "دیکھو اِدھر سے بھی بے شمار لوگ گزر رہے ہیں۔ یہ سب بھی جسمانی طور سے ناقص ہیں، لیکن اپنے وقت کے مشہور شخص ہیں۔ وہ ٹھنگنا سا شخص نپولین ہے۔ وہ اندھا عظیم شاعر ملٹن ہے ـــ وہ دیکھو دُنیا کا سب سے بڑا موجد کھڑا ہے۔ اس کا نام ایڈیسن ہے، لیکن کانوں سے بہرا ہے۔ لال بخار دریافت کرنے کا سہرا اُس شخص کے سر ہے جس کے کان ہی سرے سے غائب ہیں۔ اور ـــ"

حکیم بر بروس صاحب کچھ کہتے کہتے رُک گئے، کیوں کہ اسی وقت ان کے سامنے سے اندھوں کا ایک غول گزرا۔ حکیم صاحب نے کہا، "یہ سب اپنے وقت کے بہترین طبیب تھے۔ ان کے درمیان میں وہ شخص ہے جو حکیم نابینا کے نام سے مشہور تھا۔ یہ حکیم صاحب محض قدموں کی چاپ سُن کر مرض پہچان لیتے تھے۔ ان کا پورا نام حکیم عبدالوہاب انصاری تھا۔"

حکیم بر بروس نے کھڑکی بند کر دی اور بولے، "برخوردار، تم نے دیکھ لیا کہ کتنے ہی لوگ ایسے گزرے ہیں جن میں جسمانی کسر موجود تھی، لیکن انھوں نے اپنی ہمت اور کوشش سے وہ مقام پیدا کیا کہ ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔"

انور جوش بھرے لہجے میں بولا "حکیم صاحب آپ کا شکریہ۔ آپ نے میرے دل سے ایک بھاری بوجھ اُتار دیا ہے۔ میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں یہ عیب میری راہ نہیں روک سکتا۔"

جب انور رخصت ہونے لگا تو حکیم بر بروس صاحب نے بہت پُرجوش طریقے سے کہا:

ہر آدمی جُدا سہی، مگر اُمنگ ایک ہے
الگ الگ ہیں صورتیں، لہو کا رنگ ایک ہے
لہو کا رنگ ایک ہے

اب انور پگ ڈنڈی پر چلنے لگا۔ جب وہ جنگل کے آخری سرے پر پہنچا تو اس نے حکیم صاحب کے مکان کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک نظر آرہا تھا۔ انور نے ہاتھ ہلا کر الوداع کہی اور منھ پر ہاتھ رکھ کر زور سے کہا،

"لہو کا رنگ ایک ہے۔"

علی اسد

اِسکول کا چور

ایک بار ایک اسکول میں چوریوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ آئے دن کسی نہ کسی لڑکے کا سامان چوری ہوتا چناں چہ ایک دن ہیڈ ماسٹر صاحب نے اسکول کے سارے لڑکوں کو جمع کیا اور ان سے کہا "میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ چور نہیں پکڑ لیا جاتا۔ جو لوگ چوری کر رہے ہیں ان کا جب تک پتا نہیں چلتا یا جب تک ان کو اس پر مجبور نہیں کیا جاتا کہ وہ خود اقبالِ جُرم کرلیں اس وقت تک تم کو گرمیوں کی چُھٹیاں نہیں ملیں گی۔" اس تقریر کے بعد لڑکے منتشر ہو گئے۔

ایک لڑکا جس کا نام سکندری تھا اپنے ہم جماعت دوستوں سے صلاح مشورے کرنے لگا۔ سکندری اور اس کے ساتھیوں کو اپنے مخالف گروپ کے لڑکوں پر شک

ہونے لگا کہ وہی یہ چوریاں کرتے ہیں۔ اس مخالف گروہ کے سرغنہ کا نام تھا زبیری۔

ادھر دوسری طرف زبیری اور اس کے ساتھی یہ سوچ رہے تھے کہ یہ چوریاں سکندری اور اس کے ساتھیوں کی حرکت ہیں۔ اسکول کے ساتھ ہوسٹل بھی تھا۔ سکندری اور اس کے ساتھی جب اپنے کمرے میں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ ان کی چیزیں تتر بتر پڑی ہوئی ہیں۔ اب جو انھوں نے اپنی چیزیں دیکھنا شروع کیں تو پتا چلا کہ کسی کا قلم غائب ہے تو کسی کی کتاب۔ لڑکوں نے احتیاطاً کمرے کی ہر چیز اُلٹ پلٹ کر بھی دیکھ لی، مگر جو چیزیں گم ہو گئی تھیں ان کا پتا نہ چلا۔

ادھر دوسری طرف زبیری کے کمرے میں بھی کچھ چیزیں چوری ہو گئیں۔ زبیری اور اس کے ساتھی جو اپنے کمرے میں پہنچے تو انھیں میز کی درازیں کھلی ہوئی ملیں اور سامان بکھرا ہوا ملا۔

ایک لڑکا چلایا "ارے چور تو کھانے پینے کی ساری چیزیں لے گیا۔" اتنے میں زبیری کو فرش پر ایک قلم پڑا دکھائی دیا۔ وہ چلایا "ارے چور اپنا قلم گرا گیا ہے۔" اس نے جھک کر قلم اُٹھا لیا۔ قلم دیکھتے ہی وہ بولا "یہ تو سکندری کا قلم ہے۔ میں اسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔"

اب تو زبیری کو سکندری کے خلاف ایک ثبوت بھی مل گیا تھا۔ اس نے کہا "اب شک و شبہے کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ چوریاں سکندری اور اس کے ساتھی کر رہے ہیں۔ بس اب ان کی پٹائی کرنا چاہیے۔"

چناں چہ زبیری اور اُس کے ساتھی سیدھے سکندری کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ زبیری کے ہاتھ میں جو سکندری نے اپنا قلم دیکھا تو بولا "یہ تو میرا قلم ہے۔ اچھا! تو تم ہی لوگ یہ سب کر رہے ہو۔"

بس پھر کیا تھا۔ لڑکوں میں مار پیٹ شروع ہو گئی۔ ایک طرف سکندری کے ساتھی تھے اور دوسری طرف زبیری کے۔ یہ ہنگامہ جاری تھا کہ اتنے میں ان کا مانیٹر حاتم آ پہنچا۔ وہ تو سکندری سے یوں ہی جلتا تھا، لہٰذا وہ آتے ہی چلایا "زبیری اور سکندری لڑائی بند کرو۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟"

زبیری بولا "سکندری ہی چوریاں کرتا ہے۔ یہ قلم اس کا ثبوت ہے۔ ہمارے کمرے

میں چوری کرتے وقت گر گیا ہوگا۔"

سکندری نے کہا "میرا قلم چوری ہوگیا تھا۔ جس نے بھی میرے کمرے میں چوری کی ہوگی وہی لے گیا ہوگا۔"

مانیٹر حاتم چلّایا "سکندری چُپ رہو۔ جانتے ہو۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کی تقریر کے بعد جو میں اپنے کمرے میں گیا تو میرا بہترین کوٹ غائب تھا۔ سوائے تمھارے اور کوئی اس طرح کا مذاق نہیں کرسکتا۔" اتنا کہہ کر اس نے زبیری سے قلم لے لیا اور بولا،

"سکندری، کل صبح تک اگر میرا کوٹ نہیں ملا تو میں یہ قلم ہیڈ ماسٹر صاحب کو دے دوں گا۔ اور ان کو بتا دوں گا چوریاں تم ہی کر رہے ہو۔"

یہ سُن کر زبیری تو بہت خوش ہوا مگر سکندری اور اُس کے دوستوں کو بڑا صدمہ ہوا اور انھیں غصّہ بھی بہت آیا۔ اتنے میں گھنٹہ بج گیا اور لڑکوں کو اپنے درجے میں جانا پڑا۔ اس وقت آرٹ کی کلاس تھی۔ راستے میں سکندری اور اس کے ساتھیوں میں صلاح مشورے ہونے لگے۔

سکندری بولا "میرا خیال ہے کہ حاتم کا کوٹ زبیری کے کمرے میں چھپا ہوگا۔ میں اس کے کمرے کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔"

اس کا ایک دوست بولا "مگر یہ کام تم کو زبیری کی آنکھ بچا کر کرنا ہوگا۔ یہ تم کیسے کروگے؟"

سیکندری نے رنگ کے ڈبّے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس سے! جس وقت میں زبیری کے کمرے کی تلاشی لیتا ہوں گا اس وقت وہ کلاس میں بیٹھا تصویریں بنا رہا ہوگا۔"

چناں چہ جب کلاس میں سب لڑکے بیٹھے تصویریں بنا رہے تھے تو سکندری نے تھوڑا سا رنگ زبیری پر چھڑک دیا۔ ڈرائینگ ماسٹر صاحب نہایت سخت مزاج آدمی تھے۔ انھوں نے جو یہ شرارت دیکھی تو فوراً چلائے "سکندری کلاس کے باہر نکل جاؤ اور اپنے کمرے میں بیٹھ کر دو سو سطریں لکھو۔"

سکندری نے اسی امید پر شرارت کی تھی لہٰذا وہ فوراً باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی زبیری کو شبہہ ہوا کہ سکندری اور حرکت کرنے والا ہے۔ اس نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک دوست سے کہا،

"سکندری نے یہ حرکت جان بوجھ کر کی ہے، مجھے فوراً اس کے پیچھے جانا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے پھنسانے کے لیے وہ مانیٹر کا کوٹ میرے کمرے میں رکھ آئے۔"

لہٰذا زبیری نے بھی سکندری کی نقل کی اور تھوڑا سا رنگ ایک دوسرے لڑکے پر چھڑک دیا۔ ماسٹر نے جو یہ دیکھا تو بڑا ناراض ہوا اور بولا "نکل جاؤ کلاس سے اور پانچ سو سطریں لکھو اور جمعے کے دن اسکول کے بعد تم کو رُکنا پڑے گا۔"

سکندری ابھی زبیری کے کمرے تک پہنچا ہی تھا کہ زبیری نے اس اُسے پکڑ لیا اور بولا "میں نے تم کو عین وقت پر پکڑ لیا ہے۔"

دونوں لڑکوں میں دھینگا مُشتی ہونے لگی۔ اس کی وجہ سے قریب والے کمرے میں جو آدمی تھا اس کو بڑی تشویش پیدا ہو گئی لہٰذا وہ دروازہ کھول کر بھاگا۔ اس آدمی کو کمرے سے نکل کر بھاگتے دیکھ کر سکندری اور زبیری اپنی لڑائی بھول گئے اور بڑی حیرت سے اس بھاگتے ہوئے آدمی کو دیکھنے لگے۔

سکندری بولا "وہ دیکھو وہ
زبیری بولا "وہ دیکھو، جو چیزیں وہ چُرا کر لیے جارہا تھا انھیں پھینکے جارہا ہے"۔
چناں چہ دونوں لڑکوں نے اُٹھ کر وہ چیزیں اُٹھالیں جو چور نے پھینکی تھیں اور پھر چور کے پیچھے تیزی سے دوڑے۔ چور زینے سے اوپر دوڑا جارہا تھا۔
سکندری بولا "اوپر تو ایک ہی کمرہ ہے وہاں جاکر تو یہ پھنس جائے گا"۔
لیکن جب دونوں لڑکے اوپر پہنچے تو انھوں نے وہاں کسی کو نہیں پایا۔ یہ دیکھ کر لڑکے بڑے حیران ہوئے۔
"ارے وہ تو غائب ہوگیا"۔ زبیری بولا۔
"ناممکن ہے"۔ سکندری نے کہا۔
اتنے میں مانیٹر حاتم آنکھیں نکالے دوسری جانب سے آگیا اور بولا،
"یہ کیا ہورہا ہے ؟" پھر اُس نے زمین سے موزے اٹھا کر دکھائے اور بولا،
"زبیری! یہ موزے تمہارے ہیں!"
زبیری نے کہا "یہ اُس آدمی نے پھینکے ہیں جسے ہم لوگوں نے ابھی چوری کرکے بھاگتے دیکھا۔ ہم اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے یہاں تک آگئے۔ آپ نے تو اسے ضرور دیکھا ہوگا۔ ادھر سے جانے کا تو اور کوئی راستہ ہے نہیں"۔
یہ سُن کر مانیٹر حاتم نے کمرے کا دروازہ پاٹوں پاٹ کھول دیا اور بولا،
"یہاں تو میں نے کسی آدمی کو نہیں دیکھا، میں خود یہاں تھا۔ تم لوگ جھوٹ نہ بولو"۔
زبیری نے کہا "ہم سچ کہہ رہے ہیں"۔
سکندری بولا "چور ضرور یہیں کہیں ہے"۔
اس پر حاتم بولا "تم دونوں ملے ہوئے ہو۔ ظاہر میں تو ایک دوسرے کے خلاف ہو مگر حقیقت میں تم دونوں مل کر چوریاں کررہے ہو۔ کل میں ہیڈ ماسٹر صاحب کو سب بتادوں گا اور ثبوت میں یہ چیزیں بھی پیش کردوں گا"۔
اس روز شام کو تمام لڑکوں میں مشورے ہوئے۔ اب آپس کی لڑائی ختم ہوچکی تھی۔
زبیری بولا "سکندری کوئی شخص ہم کو اور تم کو پھنسانا چاہتا ہے، مگر سوال یہ ہے

کہ اصلی چور کون ہے؟ اور پھر وہ غائب کیسے ہو گیا؟ کل صبح تک اگر ہم نے اسے نہیں پکڑا تو پھر ہمارا بیڑہ غرق ہو جائے گا۔"

سکندری نے کہا "میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آخر وہ چھپا کس جگہ؟"

سکندری بڑی دیر تک سوچتا رہا۔ آخر بولا "شاید کوئی خفیہ جگہ ہے جہاں چور آسانی سے چھپ جاتا ہے اور جب موقع ملتا ہے تو وہاں سے نکل کر چوریاں کرتا ہے۔"

ایک لڑکا بولا "اگر وہ کمرہ خفیہ ہے تو پھر اس کا راستہ ہم کو کیسے ملے گا؟"

ایک دوسرا لڑکا بولا "یہ ناممکن ہے۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ ہمیں ایک ایک اینٹ اکھاڑنا پڑ جائے گی۔"

سکندری نے کہا "ارے دوستو، دیکھو۔ ہر کمرے میں ایک کھڑکی ہے، لہٰذا اس خفیہ کمرے میں بھی کھڑکی ہو گی۔ زبیری اب کان کھول کر سُنو، ایک ترکیب سمجھ میں آئی ہے۔"

زبیری نے کہا "بولو میں سُن رہا ہوں۔"

چناں چہ ترکیب بتا دی گئی اور سارے لڑکے اسکول روانہ ہو گئے۔ اسکول پہنچ کر لڑکوں نے عجیب عجیب حرکتیں شروع کر دیں۔

"کوئی بھی سفید چیز لے لو۔ تولیہ، چادر، اور ہر کھڑکی میں سے ایک کپڑا باہر لٹکا دو اور کھڑکی بند کر دو۔" سکندری نے کہا "اور کچھ نہ ملے تو تکیے کا غلاف استعمال کر ڈالو۔"

لہٰذا اب اسکول کی عمارت کو باہر سے جو کوئی دیکھتا تو اسے ہر کھڑکی سے ایک سفید کپڑا لٹکتا دکھائی دیتا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے بھی دیکھا اور کہنے لگے،

"ارے، یہ کیا ہے؟"

چند لڑکے بھی اُدھر آگئے۔ وہ بولے "شاید کسی نے مذاق کیا ہے۔"

اِتفاق سے اوپر والا کمرہ خالی تھا "اس میں مانیٹر حاتم کی قمیض لٹکائے دیتے ہیں۔" ایک لڑکا بولا۔

اس کے بعد یہ لڑکے دوڑتے ہوئے پہنچے اور باہر سے کھڑکیوں کو دیکھنے لگے۔

سکندری نے کہا "دیکھو، اب ہر کھڑکی میں سے ایک کپڑا لٹک رہا ہے۔ جس کھڑکی میں کپڑا نہ لٹکتا ہو بس وہی خفیہ کمرہ ہے۔"

ہم لوگ جتنے کمروں سے واقف تھے ان میں ہم داخل ہو گئے اور اس کی کھڑکی میں سے بھی ایک کپڑا لٹکا دیا۔

اوپر کی دو کھڑکیوں کے درمیان ایک کھڑکی ایسی تھی جس میں کوئی کپڑا نہیں لٹک رہا تھا۔

"جلدی سے سیڑھی لاؤ۔" سکندری نے کہا

چناں چہ لڑکے دوڑ کر ایک سیڑھی اُٹھا لائے اور اسے کھڑکی کے پاس لگا دیا۔ جس میں کوئی کپڑا نہیں لٹک رہا تھا۔ پھر لڑکے سیڑھی پر چڑھ گئے اور اس کھڑکی کو کھول کر کمرے میں داخل ہو گئے۔ اب جو یہ کمرے میں داخل ہوتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک آدمی گھبرایا ہوا کھڑا ہے۔ وہ جیل خانے کے کپڑے پہنے ہوئے تھا اور اوپر سے مانیٹر والا کوٹ بھی پہنے ہوئے تھا۔

سکندری نے کہا "پکڑ لو اسے۔ یہ تو بھاگا ہوا مجرم ہے!"

یہ سنتے ہی چور بھاگا اور لڑکوں نے اس کا پیچھا کیا اتنے میں ایک اور دروازہ

کھلا اور مانیٹر حاتم اس میں سے نکل پڑے، لہٰذا چور ان سے ٹکرا گیا اور گر پڑا اور لڑکوں نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔ کسی نے اس کی ٹانگ پکڑ لی، کسی نے ہاتھ اور کسی نے اس کی گردن دبوچ لی۔ اتنے میں ہیڈ ماسٹر صاحب بھی وہاں آپہنچے۔

سکندری نے ہیڈ ماسٹر سے کہا "جناب ہم نے اسے پکڑ لیا ہے۔ یہی وہ پُراسرار چور ہے۔ مہربانی کر کے پولیس کو ٹیلیفون کر دیجیے۔ یہ جیل سے بھاگا ہوا ہے۔"

اس طرح سے اسکول کی پُراسرار چوریاں ختم ہو گئیں۔ چور نے جیل سے بھاگنے کے بعد اسکول میں پناہ لی تھی۔ اتفاق سے اس کو وہ خفیہ کمرے کی کھڑکی ذرا سی کھلی ہوئی دکھائی دی چناں چہ وہ چڑھ گیا اور اسی کمرے میں چھپا رہا۔ موقع پاکر وہ سامان چُراتا رہتا تھا اور اس کوشش میں تھا کہ جب ساری تیاری ہو جائے تو وہاں سے بھاگ نکلے، مگر اس سے غلطی یہ ہو گئی کہ زبیری کے کمرے میں اس نے سکندری کا قلم گرا دیا۔

دوسرے دن ہیڈ ماسٹر صاحب نے تمام لڑکوں کو اکٹھا کیا اور بولے،

"دو لڑکوں کی ہمّت اور بہادری کی بدولت ایک نہایت خطرناک آدمی کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان دونوں لڑکوں نے ایک مثالی کام کیا ہے۔ اسکول کو ان لڑکوں پر فخر ہے۔ پولیس نے ان لڑکوں کو سارٹیفکٹ دیا ہے اور کچھ نقد رقم بھی بطور انعام دی ہے۔"

سکندری اور زبیری نے ہیڈ ماسٹر صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ پھر سکندری نے زبیری سے کہا، "دوست یہ جو رقم ملی ہے اس سے ہم لوگ ایک شاندار پکنک پارٹی کریں گے۔ اور ہاں اب تو ہم لوگوں کو چھٹیاں بھی مل جائیں گی۔"

اقوالِ زرّیں

- دانا وہ ہے جو اپنا محاسبہ آپ کرے۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم)
- ہر شخص کچھ نہ کچھ عقل و فراست رکھتا ہے، لیکن ہر شخص عقل و فراست سے کام نہیں لیتا۔ (افلاطون)
- اپنی ضرورتوں کو کم کر دوگے تو راحت پاؤگے۔ (حضرت اویس قرنی)
- عقل مند آدمی کام کر کے خوش ہوتا ہے اور نادان فارغ رہ کر خوش ہوتا ہے۔ (کبیر داس)
- مقصد میں لگن اور مسلسل جد و جہد میں کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ (مولانا شبلی نعمانی)

عصمت علی پٹیل

مشرقِ وسطیٰ کے متعلق
دِل چسپ معلومات

مَشرقِ وسطیٰ کی خبریں اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اُن میں کچھ ایسی جگہوں یا تنظیموں کے نام بھی آتے ہیں جن کے پس منظر سے نونہال پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ اس مختصر مضمون میں ہم مشرقِ وسطیٰ کی چند ایسی جگہوں اور تنظیموں کا پس منظر دے رہے ہیں جن کے بارے میں آپ آج کل بار بار خبروں میں سنتے رہتے ہیں۔

★ فلسطینی چھاپہ ماروں کی سب سے بڑی تنظیم "الفتح" کے نام سے مشہور ہے جس کے سربراہ یاسر عرفات ہیں جو "ابو عمار" بھی کہلاتے ہیں۔

★ فلسطینی نوجوانوں نے ۱۹۵۶ء میں فلسطینی قومی تحریکِ آزادی کی تنظیم "الفتح" کی بنیاد ڈالی اور مقبوضہ فلسطین میں الفتح کے فوجی دستوں کے حملے یکم جنوری ۱۹۶۵ء سے شروع ہوئے۔

★ الفتح کے پہلے جواں سال شہید احمد موسیٰ ہیں جو ۸ جون ۱۹۶۵ء کو اُردن کے رجعت پسندوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

★ ۱۹۵۶ء کو الفتح نے اسرائیل کے خلاف جب پہلی چھاپہ مار لڑائی شروع کی تھی تو یہ تنظیم چند سو جان بازوں پر مشتمل تھی۔ ۲۱ مارچ ۱۹۶۸ء کو معرکہ الکرامہ کی کام یابی نے فلسطینی عوام کے دلوں پر گہرے نقوش چھوڑے اور وہ جوق در جوق اس تنظیم میں شامل ہونے لگے۔ آج کل الفتح کے فدائین کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ہے۔

★ یاسر عرفات ۱۹۲۹ء میں یروشلم میں پیدا ہوئے۔ ۱۹ سال کی عمر میں انھوں نے اپنے والد اور بھائیوں کے ساتھ اسرائیل کے خلاف جدوجہد میں حصہ لیا۔ ۱۹۴۸ء میں مصر پہنچے

اور قاہرہ یونی ورسٹی میں داخل ہو گئے۔ وہاں وہ پانچ سال تک فلسطینی اسٹوڈینٹس فیڈریشن کے صدر رہے۔

★ فلسطینی قومی تحریکِ آزادی دو حصّوں پر مشتمل ہے۔
(الف) سیاسی محاذ پر لڑنے والا دستہ "الفتح" کہلاتا ہے۔
(ب) دوسرا حصّہ "العاصفہ" کے نام سے مشہور ہے جو فوجی محاذ پر دشمن سے جنگ کرتا ہے۔

★ فلسطینی تنظیم "العاصفہ" کے حُرّیت پسند چھاپہ مار رضاکاروں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔

★ العاصفہ اب تک مقبوضہ فلسطین پر کئی ہزار حملے کر چکی ہے۔

★ خاص طور پر مقبوضہ عرب علاقوں اور اسرائیل کے اندر چھاپہ مار جنگ کرنے، دشمن کی فوجی چوکیوں اور دوسری تنصیبات کو اُڑانے کا کام "العاصفہ" کرتی ہے۔

★ ۵۰ سالہ ڈاکٹر جارج حبش "پاپولر لبریشن فرنٹ" کے سربراہ ہیں۔ اس تنظیم میں تقریباً سات ہزار فدائین ہیں جو اسرائیل اور اس کے دوستوں کو ہر جگہ اور ہر مقام پر نقصان پہنچانے کے حامی ہیں۔ یہ تنظیم اسرائیل اور اس کے سامراجی دوستوں کے ہوائی جہازوں کو اغوا کرنے کے سبب سے بہت مشہور ہے۔ ستمبر ۱۹۷۰ء میں اس نے ۵ کروڑ ڈالر کی مالیت کے چار طیارے اغوا کر کے آزادیٔ فلسطین کی تحریک پر ساری دُنیا کی توجّہ مبذول کرا دی تھی۔ مشہور مجاہدہ لیلیٰ خالد کا تعلّق بھی اسی تنظیم سے ہے۔

★ لیلیٰ خالد کا کوڈ نام "شیدا ابو غزالی" ہے جس کے کارناموں نے عربوں کی روایتی بہادری کو دوبارہ زندہ کر دیا ہے۔ اس کے جذبۂ حُرّیت و شجاعت نے پوری دنیا کو چونکا دیا ہے۔

★ "جارج حبش" غلّے کے ایک عرب مسیحی تاجر کے بیٹے ہیں۔ انھوں نے بیروت کی امریکن یونی ورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔

★ "پاپولر لبریشن فرنٹ" نے ۱۹۶۸ء میں روم سے اسرائیل ہوائی کمپنی "ایلال" کے

ایک طیارے کو اغوا کر کے الجزائر پہنچا دیا تھا۔ عربوں کی طرف سے دشمن کے طیارے کو اغوا کرنے کا یہ پہلا واقعہ تھا۔

★ جارج حبش کی تحریک ایک سوشلسٹ تحریک ہے۔ وہ مارکس ازم اور لینن ازم کے پیروکار ہیں۔ حبش کا کہنا ہے کہ چین ہمارا بہترین دوست ہے۔ چین اسرائیل کو دنیا کے نقشے سے مٹانا چاہتا ہے، کیوں کہ جب تک اسرائیل کا وجود رہے گا اس وقت تک سرزمینِ عرب پر سامراجی اڈے قایم رہیں گے۔ ظاہری طور پر رُوس ہمارا دوست ہے، لیکن کم درجے کا۔

★ فلسطین کی "سیاہ آزادی" کے چھاپہ ماروں کی تعداد کئی ہزار ہے۔ اس کی زیادہ تر سرگرمیاں اسرائیل اور اُردن کے درمیان خطِ متارکہ جنگ پر مرکوز ہیں۔

★ اسرائیل کی دہشت پسند چھاپہ مار تنظیمیں ارگون، ہگانہ اور سٹرن گنگ ہیں۔

★ مصر کے علاقے "جزیرہ نمائے سینائی" پر اسرائیل کا قبضہ ہے۔

★ اسرائیل کے تین خفیہ ادارے ہیں جو سفاکی اور بہیمانہ سازشی کارروائیوں کے اعتبار سے جرمن گسٹاپو، امریکی سی آئی اے اور فرانس کی سیکریٹ سروس ڈی۔ایس۔ٹی کے مانند ہیں۔ موشے دایان انھیں اپنی تین آنکھیں قرار دیتا ہے۔ ان کے نام یہ ہیں:

(الف) موساد (MOSSAD) سب سے زیادہ پُرانا ادارہ ہے۔

(ب) ایمن (AMAN) ہے جو امریکا کے جاسوسی ادارے سی آئی اے کے مماثل اور مُشابہ ہے۔

(ج) شباک (SHABAK) اندرون اسرائیل اور عرب علاقوں میں سرگرم عمل ہے۔

★ اسرائیل کے مشہور شہر تل ابیب، جافہ، حیفہ اور یروشلم ہیں۔

★ نہر سویز کی کُل لمبائی ایک سو میل ہے اور کم سے کم چوڑائی ۱۹۰ فیٹ۔ اس نہر کو عبور کرنے میں اوسطاً سوا گیارہ گھنٹے لگتے ہیں۔

★ مصر کو "تحفۂ نیل" کہتے ہیں۔

مصر کا آخری بادشاہ "شاہ فاروق" تھا۔

"پورٹ سعید" مصر کی مشہور بندرگاہ ہے۔

★ مصر کے صدر اور مسلح افواج کے سپریم کمانڈر جناب انور السّادات ہیں۔
★ مسلمانوں کا پہلا قبلہ "بیت المقدس" تھا۔
★ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر بیت المقدس میں مدفون ہیں۔
★ "ایلات" اسرائیل کی مشہور بندرگاہ ہے۔
★ "صحرائے سینا" کی سرحدیں اسرائیل اُردن اور سعودی عرب سے ملتی ہیں۔ اسی صحرا میں وادیٔ سینا واقع ہے جو کوہِ سینائی کی وجہ سے مشہور رہی ہے۔ کوہِ سینا کی چوٹی کا نام "طور" ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جلوۂ خداوندی دکھائی دیا تھا۔
★ موشے دایان ایک آنکھ سے اندھا اس طرح ہوا کہ ۱۹۴۱ء کی جنگ میں وہ لبنان میں پیش قدمی کرنے والی آسٹریلوی فوج میں رابطہ افسر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا یہ ایکشن اُس جنگ کا حصّہ تھا جس میں برطانیہ شام سے فرانس کی وِشی حکومت کو نکالنا چاہتا تھا۔ ایک پولیس بلڈنگ پر قبضہ کرنے کے بعد دایان اس کی چھت پر چڑھ گیا اور دوربین سے جائزہ لینے لگا۔ دُشمن ابھی تک آس پاس موجود تھا۔ کسی فرانسیسی گوریلے نے تاک کر نشانہ لیا گولی سیدھی بائیں آنکھ میں دھنس گئی۔ ساتھ ہی شیشے کی کرچیاں بھی آنکھ میں داخل ہوگئیں۔ اس کے ساتھیوں نے ٹکڑے نکالنے کی کوشش میں زخم کو اور بھی بگاڑ دیا۔ بعد میں ڈاکٹروں نے اس کو مصنوعی آنکھ لگانے کے بارے میں سوچا مگر سیاہ خول کے بغیر کام نہ چلا۔ دایان اس سے بہت زیادہ تنگ ہے۔ وہ اسے گھر میں نہیں پہنتا۔ لوگوں سے ملنے اور کانفرنسوں میں جانے سے بھی کتراتا ہے، لیکن اسرائیل میں بہت سے سیاست داں اس کے ٹریڈ مارک پر رشک کرتے ہیں۔
★ ۱۳ نومبر ۱۹۷۴ء کو یاسر عرفات نے فلسطینی ریاست قائم کرنے کا منصوبہ ۱۳۸ اقوام پر مشتمل اقوام متحدہ میں پیش کیا۔

قمر علی عبّاسی

گاڑی بان

فضلو نے اپنے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ پھیر کر پیار سے کہا "تیار ہو میرے شیر"۔
گھوڑے نے کان کھڑے کیے اور ہنہنایا۔

"شاباش ۔۔ شاباش" گھوڑے کی کمر پر پیار سے تھپتھپا کر فضلو نے گاڑی لا کر اس کی گردن پر رکھ دی۔

"تو بھئی اب مزے سے شہر چلیں گے، خوب سیر کریں گے، ٹھیک ہے نا؟" فضلو گھوڑے سے باتیں کرتا اور گاڑی میں سامان رکھتا جا رہا تھا۔

"یہ لالٹین ہے، میں نے تھوڑا سا مٹی کا تیل بھی ساتھ رکھ لیا ہے اور میرے دوست یہ وہی ماچس۔ تمہارے لیے مزے کی

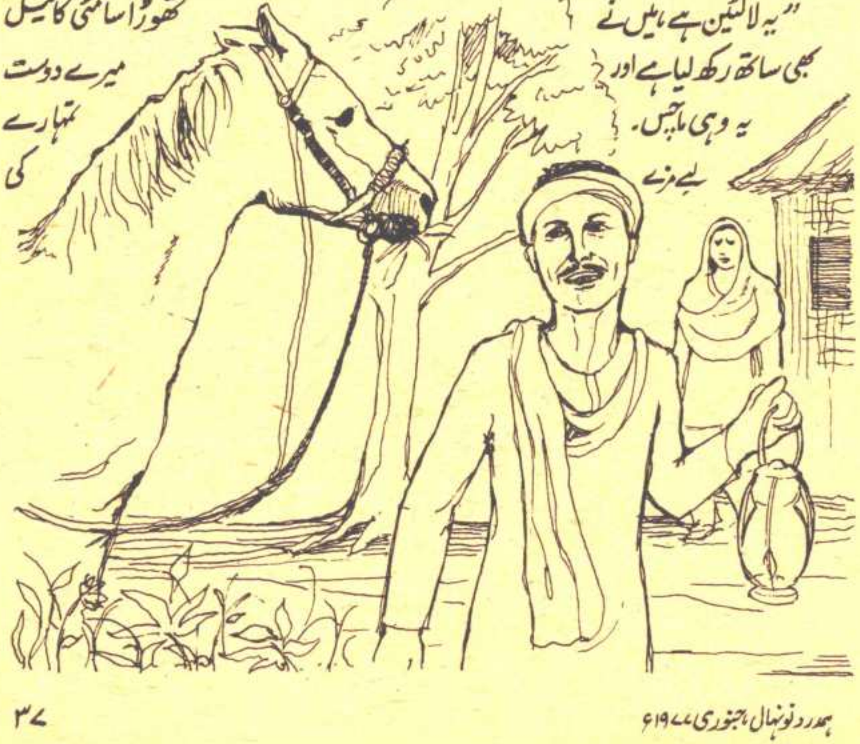

نرم نرم گھاس بھی رکھ لی ہے۔ یہ سب تم یاد رکھنا۔"

دور دیس کو جائیں گے
مکی کی روٹی کھائیں گے
راہ میں جو بھی آئے گا
ہم اُس سے لڑ جائیں گے

فضلو گانے لگا۔ گھوڑا اپنا پیر زمین پر مارنے لگا۔ کبھی گھاس مُنھ میں دبالیتا اور اس کی گردن میں بندھے ہوئے گھنگرو چھَن چھَن بج جاتے۔

گھوڑا اور فضلو دونوں خوش تھے کہ ایک تیز آواز سنائی دی،

"عیدو کے ابّا۔ عیدو کے ابّا۔"

فضلو نے آواز سُنی۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار نمودار ہوئے۔ گھوڑے نے اپنے دونوں کان کھڑے کرلیے۔

آواز پھر آئی "عیدو کے ابّا۔ عیدو کے ابّا۔ سنتے ہو۔"

"سنتا ہوں۔" فضلو نے جواب دیا۔ آواز کے ساتھ ایک موٹی سی عورت اندر داخل ہوئی۔

"تم ابھی تک گئے نہیں؟" عورت نے غصّے سے کہا۔

فضلو چُپ چاپ گاڑی میں سامان رکھتا رہا۔

عورت نے دوبارہ پوچھا "میں تم سے پوچھ رہی ہوں ابھی تک گئے نہیں۔"

"بس جا رہا ہوں۔ میرا کھانا دے دو۔" فضلو نے کہا۔

عورت نے ایک پوٹلی فضلو کے ہاتھ میں تھمادی۔

"اور سُنو! سیدھے شہر جانا، پھر کسی مصیبت میں نہ پھنس جانا۔ تم جیسا بے وقوف آدمی شاید ہی زمانے میں کوئی اور ہو۔ اور بھی گاڑی بان ہیں۔ ہر ایک مالدار ہے۔ ایک ہم ہیں۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی مصیبت۔"

"مال و دولت ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا۔" فضلو نے گاڑی کی چمڑے والی پیٹی گھوڑے کو کمر پر کستے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں بھوکے مر جاؤ۔ آج یہ چیز اُدھار لو۔ کل وہ چیز اُدھار لو۔"
عورت کو غصہ آگیا۔
"اچھا بابا، اچھا" فضلو نے بات ختم کرنے کے لیے کہا۔
عورت زور زور سے اُسے بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔ فضلو نے جلدی سے گاڑی باہر نکالی۔ تازہ ہوا میں سانس لے کر گھوڑے نے کان کھڑے کیے۔ اور زمین پر اپنے اگلے پاؤں مارنے لگا۔ فضلو یہ دیکھ کر خوش ہوگیا۔
"واہ میرے دوست واہ۔ بس ابھی چلتے ہیں" فضلو اچھل کر گاڑی پر بیٹھ گیا اور گھوڑے نے گردن جھکا کر چلنا شروع کر دیا۔
فضلو گاڑی بان بڑا محنتی اور دیانت دار تھا۔ وہ ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتا تھا۔ گاؤں میں کسی کو پریشانی ہو۔ کھیت میں کٹائی ہو۔ شادی ہو۔ کہیں موت ہو جائے فضلو سب کے ساتھ تھا۔ شہر جاتے وقت لوگوں کی چیزیں لے جا کر بیچ آتا تھا۔ کسی کے انڈے، کسی کا مکھن۔ کسی کی بکری کا بچہ، مُرغیاں سب اس کی گاڑی میں رکھ دیا جاتا اور فضلو مزے مزے سے یہ سب چیزیں شہر لے جاتا۔ فضلو جتنا اچھا تھا اس کی بیوی اتنی ہی بدمزاج اور بے درد تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ فضلو بہت سا رُپیہ کما کر لائے اور وہ گاؤں والوں میں خوب شیخی بگھارتی پھرے، اس لیے وہ ہر وقت فضلو سے لڑتی رہتی تھی۔
قصبے اور شہر کے درمیان ڈاکوؤں نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ وہ اکثر لوگوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔
فضلو ایک بار شہر جا رہا تھا تو ڈاکوؤں کا سردار بھاگتا ہوا گاڑی میں آگھسا۔ وہ زخمی تھا اور گھوڑوں پر سوار پولیس والے اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ فضلو کو پہلے اس پر غصہ آیا اور جی چاہا کہ اس کو پکڑوا دے، مگر جب زخمی دیکھا تو اسے رحم آگیا۔ اس نے گاڑی میں منھ ڈال کر صرف اتنا کہا تھا۔ "ذرا انڈوں کی ٹوکری سے ہٹ کر بیٹھنا۔ ٹوٹ نہ جائیں۔"
ذرا دیر بعد گھوڑے دوڑا کر پولیس والے آگئے۔
"اے گاڑی بان، تم نے ڈاکو تو نہیں دیکھے؟"
"دیکھے ہیں" فضلو بولا۔

"کہاں ہے؟" پولیس والے اور نزدیک آ گئے۔
"یہ پچھلی بار جب شہر جا رہا تھا۔" فضلو نے جواب دیا۔
"اچھا۔ اچھا۔" پولیس والے ہنسے۔
"دیکھو اگر تمھیں ڈاکو نظر آئیں تو بتانا۔ ہم اس سڑک پر گشت کر رہے ہیں۔" یہ کہہ کر سپاہی گھوڑا دوڑاتے ہوئے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی ڈاکوؤں کے سردار نے اس کی پسلی سے کوئی نوک دار چیز لگا دی۔
"کیا ہے جی؟" فضلو نے پوچھا۔
"چپ چاپ گاڑی کو سڑک سے اتار کر جنگل میں لے چلو۔"
"کیوں؟"
"خاموش رہو ورنہ چاقو تمھاری پسلی میں اُتار دوں گا۔" ڈاکوؤں کا سردار بولا۔
"عجیب آدمی ہو۔ تمھارے ساتھ نیکی کی اس کا بدلہ یہ دے رہے ہو۔ میں جنگل میں نہیں جاؤں گا۔ میری گاڑی سے اتر کر چلے جاؤ۔"

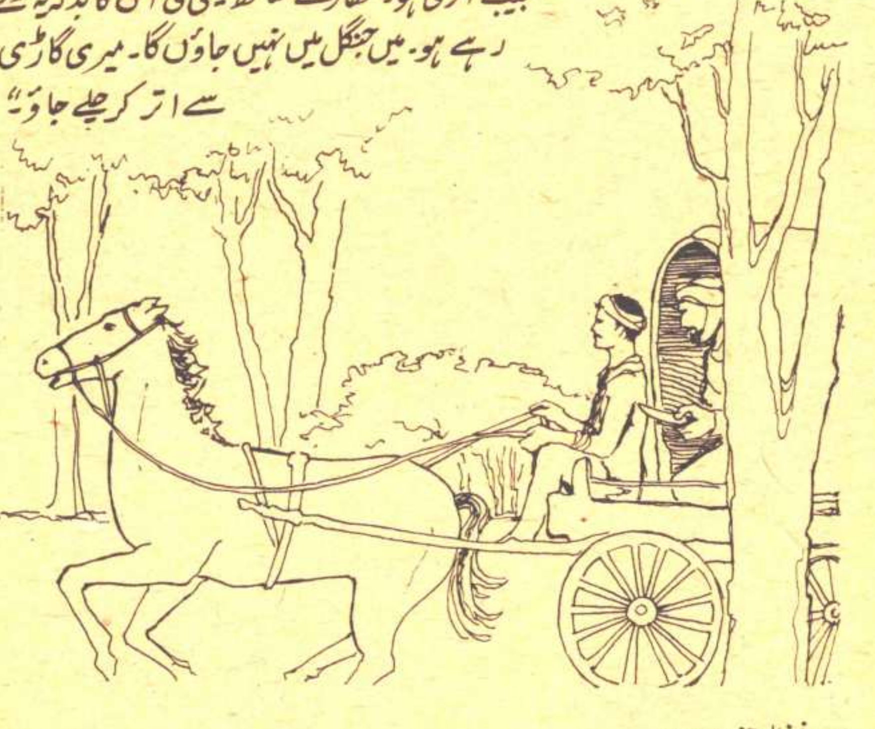

فضلو نے گاڑی روک لی۔

"ہوں، تو تم اس طرح باز نہیں آؤگے۔" ڈاکوؤں کے سردار نے اسے ایک ہاتھ سے گاڑی کے اندر گھسیٹ لیا اور کوئی چیز اس کے سر پر ماری۔ فضلو کو اپنے سامنے اندھیرا ہوتا نظر آیا۔ اور جب اُسے ہوش آیا تو اس کی گاڑی واپس گاؤں میں داخل ہورہی تھی۔

آہستہ آہستہ اُسے یاد آیا کہ ڈاکوؤں کے سردار نے اسے مار کر بے ہوش کردیا تھا۔ جب وہ گھر کے پاس پہنچا تو اس کی بیوی نے اسے دیکھ کر دور ہی سے شور مچایا،

"ارے غضب ہوگیا! کہاں سے لڑ کر آرہے ہو؟"

فضلو نے سر پر ہاتھ لگا کر دیکھا اس پر خون جما ہوا تھا۔ پھر اُسے ذرا سی تکلیف محسوس ہوئی۔ فضلو کو ڈاکوؤں پر بڑا غصّہ آیا۔

سارے گاؤں والوں کو معلوم ہوگیا کہ فضلو پر ڈاکوؤں کے سردار نے حملہ کیا تھا۔ لیکن جب اصل قصّہ معلوم ہوا تو سارے گاؤں نے تعریف کی، صرف اس کی بیوی کو غصّہ آیا۔ اس کا خیال تھا کہ دولت حاصل کرنے کا ایک اچھا موقع ضائع ہوگیا۔ اگر فضلو ڈاکو کو اس کے اڈے تک پہنچا دیتا تو وہ خوش ہو کر ضرور اسے دولت دیتا۔

فضلو کی بیوی نے چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس سے لڑنا شروع کردیا۔ اس کا خیال تھا کہ ساری زندگی غربت میں گزر جائے گی اور کبھی بھی دولت حاصل نہ ہوگی۔ فضلو لاکھ سمجھاتا "لیکن اصل دولت تو سکون ہے۔ خوشی ہے۔ ایسی دولت کا کیا کروگی جو اپنے ساتھ پریشانی اور بے آرامی بھی لائے گی۔"

مگر یہ بات اس کی بیوی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ چاہتی تھی کسی دن ہزاروں رُپے مل جائیں۔

فضلو کو ڈاکوؤں کے سردار کی حرکت کا بہت دن افسوس رہا۔ آخر وہ اچھے آدمیوں کی طرح اس بات کو بھول کر اپنے کاموں میں لگ گیا۔

برسات کا موسم شروع ہوا تو اس کے گھر کی چھت ٹپکنے لگی۔ فضلو کی بیوی نے

خوب شور مچایا۔ وہ بے چارا بارش میں ہی چھت ٹھیک کرنے اوپر چڑھ گیا۔ تب اس کی بیوی کو بڑا غصّہ آیا۔ اُس نے اسے گاڑی میں لٹا کر گھر سے نکال دیا۔ گھوڑا گاڑی کو لے کر گاؤں کے ایک غریب کسان کے گھر چلا گیا۔ کسان نے فضلو کو اتنا بیمار دیکھا تو بس اس کی خدمت میں لگ گیا۔ تین چار دن کے بعد فضلو بالکل ٹھیک ہو گیا۔ فضلو کو بڑا افسوس تھا کہ اس کی بیوی نے اس کو جب گھر سے نکالا جب وہ بیمار تھا۔ اس نے پکّا ارادہ کر لیا کہ اب وہ بہت سی دولت کما کر ہی گھر جائے گا، ورنہ شہر جا کر محنت مزدوری کر کے زندگی گزار دے گا۔ یہ سوچ کر اُس نے شہر جانے کی ٹھانی۔ فضلو اپنی گاڑی میں بیٹھ کر شہر جانے کے لیے جب گاؤں سے باہر نکلا تو اسے اپنا گھر بہت یاد آیا۔ آج بھی راستے میں کھانے کے لیے اس کے ساتھ مکئی کی روٹی اور ساگ تھا، مگر اس کی بیوی کی غصّے بھری آواز اسے سنائی نہیں دے رہی تھی۔

فضلو ابھی تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ گاڑی میں لگی چمڑے کی پیٹی ٹوٹ گئی۔ اس نے سوچا گاؤں چلا جائے۔ پھر خیال آیا گاؤں میں کیا رکھا ہے۔ چلو اس کی مرمت کرتے ہیں اور شہر چلتے ہیں۔ چمڑے کی پیٹی کی مرمت کرتے دیر ہو گئی، اس لیے آدھے راستے ہی میں شام ہو گئی۔ سردیوں کے دن تھے۔ کمبل میں لپٹا ہوا فضلو گاڑی میں بیٹھا تھا اور گھوڑا مزے مزے سے پکی سڑک پر چلا جا رہا تھا کہ یکایک سڑک پر اس نے ایک سفید ڈھیر سا دیکھا۔ گھوڑا رک گیا اور اُسے دیکھ کر ہنہنانے ۔ فضلو اسے دیکھ کر ڈر گیا۔ جب ذرا جھک کر دیکھا تو کوئی آدمی تھا۔ جی میں آئی اسے اُٹھا لے۔ پھر خیال آیا کہ مجھے لوگوں سے ہمدردی نہیں کرنی چاہیے، مجھے اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔ دل نے کہا، اگر یہ مر جائے گا تو سارا گناہ تمھارے سر آئے گا۔ اسے بچا لینا چاہیے۔ فضلو نے دل کڑا کر کے گھوڑے کا رُخ موڑا اور اپنے سفر پر چل پڑا۔ دو ایک بار مُڑ کر دیکھا بھی، مگر چلتا ہی رہا، یہاں تک کہ ایک سرد ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ سارے جسم میں سردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اُسی وقت اُس نے گاڑی روک لی اور گھوڑے سے بولا،

"کیوں میرے شیر، اس اجنبی کو سردی میں سڑک پر چھوڑ دینا اچھا نہیں، آؤ اسے اٹھا لائیں۔"

گھوڑے نے دونوں کان کھڑے کیے ہنہنایا اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔ تھوڑی دیر میں فضلو اُس آدمی کے پاس کھڑا تھا۔

"اوہو یہ تو زخمی ہے، خون بھی بہہ رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کسی نے اسے کچل دیا ہے۔ آؤ اِسے اٹھائیں۔ فضلو کی آواز سُن کر گھوڑے نے اپنی گردن نیچے جھکائی۔ فضلو نے اس آدمی کو اُٹھایا اور گاڑی میں لٹا دیا۔ خون ابھی بہہ رہا تھا۔

گھاس سے ہاتھ صاف کر کے اُس نے گھوڑے کی لگام کھینچی،

"چل رے شیر، جلدی ہسپتال چلتے ہیں۔ اجنبی تو بہت زخمی ہے۔"

گاڑی سڑک پر سرپٹ بھاگنے لگی۔ فضلو پلٹ پلٹ کر گاڑی کے اندر زخمی کو دیکھتا جاتا تھا۔ اس کے سانس کی آواز برابر آرہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد شہر آگیا تو فضلو بڑے ہسپتال کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچا تو اتنی رات گئے کوئی زخمی کو ہسپتال میں داخل کرنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا۔ فضلو نے بڑی خوشامد کی تو مجبوراً اسے داخل کیا گیا۔ اب سینکڑوں اور سوال کہ یہ زخمی کیسے ہوا؟ فضلو نے سچ سچ بات بتا دی۔ تب ایک آدمی نے اس سے کہا کہ اگر وہ یہ بات بتائے گا تو پولیس کو بتانا ہوگا اور فضلو کسی مصیبت میں پھنس سکتا ہے۔ وہ یہ لکھا دے کہ زخمی اس کا ساتھی ہے اور گاڑی سے گر گیا تھا اِس طرح ساری مشکل آسان ہو جائے گی۔ فضلو اجنبی کے علاج کے لیے اس بات پر بھی راضی ہو گیا، لیکن ایک پریشانی اور تھی۔ زخمی کا بہت زیادہ خون بہہ گیا تھا اور ہسپتال میں اُس وقت خون نہ تھا۔ فضلو نے سوچا جب نیکی کرنی ہے تو اس میں کیا خون اور کیا جان۔ اس نے اجنبی کو اپنا خون دے دیا۔ رات زیادہ ہو گئی تھی۔ فضلو ہسپتال سے نکل کر ایک سرائے میں جاکر سو یا۔ صبح خوب دیر سے اُٹھا۔ پہلے اس نے بازار جاکر گاؤں سے لائے ہوئے انڈے بیچے اتنے میں دوپہر ہو گئی۔ فضلو نے تنور پر پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور پھر تھوڑے سے پھل لے کر ہسپتال گیا۔ اجنبی سو رہا تھا۔ اسے نرس سے معلوم ہوا کہ اب وہ ٹھیک ہے، وہ نرس کو پھل دے کر واپس آگیا۔ شام کو وہ مُرغیاں دیکھنے گیا تو بہت دیر ہو گئی۔ ہسپتال پہنچا تو پھر اجنبی سو رہا تھا۔ فضلو واپس آگیا۔

دوسرے دن جب فضلو اپنے کاموں سے فارغ ہو کر پھل لے کر ہسپتال پہنچا تو وہ

اجنبی جاگ رہا تھا۔
"کہو کیسے ہو؟" فضلو نے مُسکرا کر پوچھا۔
"اچھا ہوں، تم اگر یہاں نہ لاتے تو میں مر جاتا۔" اجنبی نے آہستہ سے کہا۔
"یہ تو ہر انسان کا فرض ہے، تمھیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟" فضلو بولا۔
"مجھے تمھاری ضرورت ہے۔" اجنبی بولا۔
"میں جب تک شہر میں آتا رہوں گا تم سے ملتا رہوں گا۔"
اجنبی نے پوچھا "تم کب تک شہر میں ہو؟"
"تین چار دن اور — دو ایک چیزیں اور بک جائیں تو واپسی ہو گی۔"
"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ جب تک میں ٹھیک نہ ہو جاؤں تم شہر ہی میں رہو۔" اجنبی نے کہا۔
"لیکن تم نہ جانے کب تک ٹھیک ہو گے؟" فضلو نے کہا۔
"انھیں ہم چار دن بعد چھوڑ دیں گے۔" نرس نے اسے وقت بتا دیا۔
"پھر تو ٹھیک ہے، میں اتنے دن تو رہ سکتا ہوں۔"

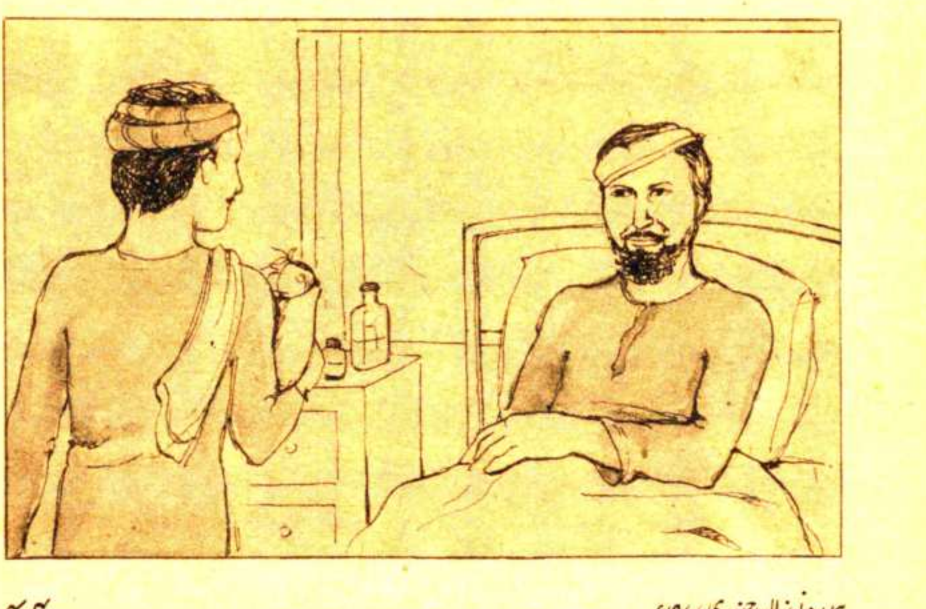

فضلو اپنے کام کرتا رہا۔ وہ جب بھی ہسپتال جاتا اجنبی اس کا انتظار کر رہا ہوتا۔ آخر اجنبی کو ہسپتال سے رخصت کر دیا گیا۔ ہسپتال سے باہر نکل کر اجنبی نے فضلو سے پوچھا، "تم نے میرے بارے میں کچھ معلوم نہیں کیا؟"

"میں دوسرے کے کاموں میں دخل نہیں دیا کرتا۔"

"کیا تم مجھے جانتے ہو؟" اجنبی نے پوچھا۔

"ہاں" فضلو نے کہا۔

"کیا جانتے ہو؟"

"تم ڈاکوؤں کے سردار ہو۔"

"تم نے مجھے کب پہچانا؟"

"جب تم سڑک پر زخمی پڑے ہوئے تھے۔"

"میں نے پچھلی بار تمھیں زخمی کیا تھا۔ تم مجھے سڑک پر چھوڑ دیتے یا تھانے لا کر پولیس کے حوالے کر دیتے، اپنا خون نہ دیتے، مجھے اپنا دوست نہ بناتے۔" سردار نے کہا۔

"تم نے میرے ساتھ جو کچھ کیا تھا وہ میں چند دنوں بعد بھول گیا تھا۔ میں نے جو کچھ کیا وہ اپنے دل سے مجبور ہو کر کیا ہے۔" فضلو نے بتایا۔

"میں تمھیں اتنی دولت دوں گا کہ تم ہمیشہ کے لیے امیر ہو جاؤ گے۔" سردار نے کہا۔

"کہاں سے لاؤ گے اتنا پیسہ؟" فضلو نے پوچھا۔

"میرے پاس ہے۔"

"اس میں سے ایک پیسہ بھی تمھارا نہیں ہے۔ مجھے دولت نہیں چاہیے۔ میری دولت میرا گھوڑا اور یہ گاڑی ہے۔ وہ خوشی اور سکون ہے جو مجھے حاصل ہے۔"

"لیکن ....." سردار نے کچھ بولنا چاہا۔

"اب تم اپنا راستہ لو۔ تمھارے ساتھ زیادہ وقت رہنا اچھا نہیں ہے۔" فضلو نے کہا۔

"اگر تم سے میں کبھی ملنا چاہوں؟" سردار نے پوچھا۔

فضلو ہنسا، "جب چاہو گھوڑا دوڑاتے ہوئے میری گاڑی کو روک لینا۔"

اب میری رگوں میں تمھارا خون گردش کر رہا ہے۔ مجھے امید ہے یہ تم سے پھر ملائے گا۔"

ڈاکوؤں کا سردار چلا گیا اور فضلو اپنی گاڑی میں بیٹھ کر گاؤں آ گیا۔

اچھے آدمیوں کی طرح فضلو پھر یہ بات بھول گیا۔ اپنا احسان بھی بھول گیا۔ ایک رات بڑی بارش ہو رہی تھی۔ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کون ہے؟"

"دروازہ کھولو۔" باہر سے کسی نے چیخ کر کہا۔

فضلو نے دروازہ کھولا۔ باہر کھڑا ہوا آدمی اندر گھس آیا۔ وہ پانی سے بُری طرح شرابور تھا۔ جب وہ لالٹین کے پاس آیا تو فضلو نے اسے چونک کر دیکھا۔ اور ناگواری سے پوچھا، "کیا لینے آئے ہو؟"

"لینے نہیں، دینے آیا ہوں!" ڈاکوؤں کے سردار نے کہا۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ یہاں سے اسی وقت چلے جاؤ۔" فضلو نے غصّے سے کہا۔

"میں تمھیں کچھ دینے نہیں آیا۔ گاؤں والوں کو اُن کی دولت واپس کرنے آیا ہوں، اُن کا اناج، اُن کے مویشی واپس کرنے آیا ہوں۔ جب میں زخمی ہو کر سڑک پر گرا تھا ڈاکو تو اسی وقت مر گیا تھا۔ اب جو آدمی تمھارے سامنے کھڑا ہے یہ محنتی اور دیانت دار ہے۔ کہو تمھارا خون ہی ہے نا؟"

فضلو نے لالٹین کی روشنی میں دیکھا۔ سردار کی آنکھوں میں خون کے بجائے کھیتوں کے

کناروں پر بہنے والا پانی لرز رہا تھا۔ فضلو نے اپنے خون کو گلے لگالیا۔

"میرے اجنبی ——" فضلو نے گرم جوشی سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"اجنبی نہیں، تمھارا بھائی غلامو۔"

گاؤں میں صبح ہوئی تو ہر شخص خوش تھا۔ غلامو اور فضلو نے مل کر ہر گھر میں رُپے بانٹ دیے۔ ایک گھر کے سامنے جاکر فضلو رُک گیا۔

"غلامو، اس گھر میں تم ہو آؤ۔"

"کیوں؟" غلامو نے پوچھا۔

"یہ میرا گھر ہے۔ میری بیوی دولت مند بننا چاہتی تھی، اس لیے میں نے یہ گھر چھوڑ دیا ہے۔" فضلو نے دکھ سے بتایا۔

"کوئی بات نہیں۔ اِس گھر میں اب ہم دونوں رہیں گے۔"

غلامو فضلو کے گھر پہنچا اور پیسے دے آیا۔ جب یہ دونوں واپس کسان کے گھر پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ فضلو کی بیوی کھڑی رو رہی ہے۔

"تمھیں کیا ہوا؟" غلامو نے پوچھا۔

"میں یہ دولت واپس کرنے آئی ہوں۔" فضلو کی بیوی نے رو کر کہا۔

"کیوں، تمھیں تو دولت چاہیئے تھی نا۔" فضلو نے پوچھا۔

"مجھے رُپیہ پیسہ نہیں چاہیئے۔ یہ تو ختم ہو جائے گا، مجھے وہ دولت دے دو جو کبھی ختم نہ ہوگی، مجھے وہ دولت دے دو جو خوشی ہے۔ وہ خوشی جو میں سب کو بتا کر حاصل کردں کہ میرے شوہر نے ڈاکوؤں کے سردار کو شریف آدمی بنا دیا۔" فضلو کی بیوی نے کہا۔

"تو تمھاری سمجھ میں یہ بات آگئی؟" فضلو نے پوچھا۔

"ہاں میری سمجھ میں پوری بات آگئی کہ اصلی دولت خوشی اور سکون ہے۔"

"نہیں، اب فضلو اکیلا اس گھر میں نہیں جائے گا۔ غلامو بھی ساتھ ہوگا۔ ہم دونوں مل کر اپنے بازو سے دولت پیدا کریں گے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں، مجھے ایک بھابی بھی مل جائے گی" —— گھوڑے نے جب فضلو اور غلامو کو آتے دیکھا تو ہنہنایا اور اگلے پیر خوشی سے زمین پر مارنے لگا۔ ▭

بڑھتی عمر اور مضبوط تر دانت

صحیح نشوونما کے لئے غذا کو اچھی طرح چبانے اور اس کو ہضم کرنے کی قوّت بے حد ضروری ہے۔ لیکن خود اس کا دار و مدار مضبوط اور صحت مند دانتوں پر ہے۔ دانت اُسی وقت مضبوط، صحت مند اور خوبصورت رہ سکتے ہیں جب ان کی صحت اور صفائی کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔

عمدہ دانت زندگی بھر کے ساتھی ہوتے ہیں۔

اُن کی پوری پوری حفاظت ہمدرد منجن سے کیجئے۔ ہمدرد منجن گہرائی تک پہنچ کر ان کی صفائی کرتا ہے۔ دانتوں کو کیڑا لگنے سے بچاتا ہے۔ مسوڑھوں کی مالش کرتا ہے اور مُنہ کی بدبو کو دور کرتا ہے۔ اس کی ہلکی ہلکی ٹھنڈک اور خوشبو بڑی دلپسند ہے۔

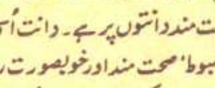

ہمدرد منجن

مسکراہٹ میں کشش اور دانتوں میں سچّے موتیوں کی چمک پیدا کرتا ہے۔

ہمدرد

ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان

کراچی — لاہور — راولپنڈی — پشاور

مناظر صدیقی

بِن بُلایا مہمان

فرزانہ ایک پیاری سی لڑکی تھی، خوب دل لگا کر پڑھتی تھی۔ پیاری پیاری باتیں کرتی تھی۔ اپنے بڑوں کا ادب کرتی اور اپنی امی کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ ابھی وہ آٹھ سال ہی کی تھی اور یہ چوتھی جماعت میں پڑھ رہی تھی، لیکن تھی بلا کی ذہین۔ ایسی ایسی باتیں آسانی سے سمجھ لیتی تھی جو بعض وقت بڑے بڑے آدمیوں کی سمجھ میں بھی مشکل ہی سے آتی تھیں۔ اُس کے ابو نے اُس کے لیے بہت سی پیاری پیاری کتابیں خرید دی تھیں، جنھیں وہ اسکول اور گھر کے کام سے فرصت پا کر پڑھتی۔ یہ کتابیں دُنیا بھر کی اچھی اچھی کہانیوں اور معلوماتی قصّوں سے بھری ہوتی تھیں۔ اِنھی کتابوں کو پڑھنے کی وجہ سے وہ اپنے عُمر کی دوسری لڑکیوں سے کہیں زیادہ باتیں جانتی تھی۔ اُسے پڑھنے لکھنے کا اتنا شوق تھا کہ جب بھی اُسے موقع ملتا اپنے ابو کی کتابیں

بھی پڑھنے کی کوشش کرتی۔ ان میں سے کچھ تو اُس کی سمجھ میں آجاتیں اور کچھ نہیں، لیکن وہ اُنھیں پڑھتی ضرور تھی اور اخبار تو جیسے اس کی کم زوری تھی۔ روزانہ صبح اسکول جانے سے پہلے وہ اخبار ضرور پڑھتی تھی۔ کھیل کُود سے تو اسے بالکل ہی دل چسپی نہیں تھی۔ اس کی زیادہ سہیلیاں بھی نہیں تھیں۔ بس ایک سہیلی دردانہ تھی وہ بھی فرزانہ کی طرح پڑھنے لکھنے کی شوقین تھی۔

ایک دن فرزانہ اپنے گھر میں بیٹھی اسکول کا کام کر رہی تھی۔ اس کی امّی باورچی خانے میں کھانا تیار کر رہی تھیں، ابو دفتر گئے ہوئے تھے۔ ایسے وقت میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔ فرزانہ کی امّی نے باورچی خانے سے ہی آواز دی،

"بیٹی ذرا دیکھو تو کون ہے؟"

امّی کی آواز سُن کر فرزانہ کتاب اور کاپی ایک طرف رکھ کر دروازے پر دستک دینے والے کو دیکھنے کے لیے اُٹھ گئی۔ پھر جب اس نے دروازہ کھولا تو سامنے ایک شخص سُوٹ پہنے اور ٹائی باندھے کھڑا تھا۔ کپڑے تو صاف ستھرے تھے، لیکن نہ معلوم کیا بات تھی کہ فرزانہ کو یہ آدمی بالکل پسند نہ آیا۔ پھر بھی اس نے مسکراتے ہوئے اجنبی سے پوچھا،

"فرمایئے آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

"داؤد ہیں؟" اجنبی نے بڑے سخت لہجے اور بڑے بھونڈے انداز میں پوچھا۔ اجنبی کا لہجہ ایسا تھا جیسے وہ اپنے کسی ملازم کے متعلق پوچھ رہا ہو۔ فرزانہ کے ابّو کا نام داؤد خان تھا اور یہ آدمی یقیناً فرزانہ کے ابّو ہی کو پوچھ رہا تھا، لیکن فرزانہ کو یہ بات بالکل اچھی نہ معلوم ہوئی کہ کوئی شخص اس کے ابّو کا نام اتنی بدتمیزی سے لے۔ فرزانہ نے اس آدمی کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، اس لیے اسے یقین تھا کہ یہ آدمی ابو کا دوست نہیں ہو سکتا۔ ویسے بھی اس کے ابّو اتنے بدتمیز آدمی کو دوست نہیں بنا سکتے، لیکن اُسے یاد تھا کہ گھر آتے ہوتے کسی بھی شخص کے ساتھ بداخلاقی سے پیش نہیں آنا چاہیے، اس لیے اس نے غصّہ پی کر کہا،

"وہ گھر پر نہیں ہیں۔"

"کب آئیں گے؟" اجنبی نے اُسی لہجے میں کہا۔
"وہ تو شام کو پانچ چھ بجے تک آتے ہیں۔" فرزانہ نے جواب دیا۔
"ٹھیک ہے۔ تم سامنے سے ہٹو۔ میں یہاں بیٹھ کر تمھارے باپ کا انتظار کروں گا۔" اجنبی نے کہا۔ اب تو فرزانہ سے اس کا لہجہ اور بات کرنے کا طریقہ بالکل برداشت نہیں ہو سکا، اس لیے اس نے بھی روکھے پن سے جواب دیا۔

"جب تک ابّو گھر نہ آجائیں آپ کو اندر آنے کی ضرورت نہیں۔ پھر آج تو ہو سکتا ہے کہ ابّو دیر سے گھر آئیں۔ اُنھیں کہیں جانا بھی ہے۔ میں آپ کو اتنی دیر تک یہاں نہیں بیٹھنے دوں گی۔"

"ٹھیک ہے! ٹھیک ہے! جب تمھارے ابو آجائیں تو اُن سے کہہ دینا کہ میں آیا تھا۔ میں پھر لوٹ آؤں گا۔" اجنبی نے پہلے سے زیادہ سخت لہجے میں کہا اور واپس جانے لگا۔ فرزانہ نے پوچھا،

"جناب! میں اپنے ابو کو آپ کا نام کیا بتاؤں؟"

"نام کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس کہہ دینا کہ لندن کا ۱۹۵۰ء کا واقعہ یاد کرلیں۔" اجنبی نے بے تکا سا جواب دیا اور چلا گیا۔

اجنبی کے جانے کے بعد فرزانہ نے دروازہ بند کیا اور امّی کے پاس جا کر سارا واقعہ سنانے کے بعد پوچھا،

"امی! ۱۹۵۰ء میں لندن میں کیا ہوا تھا؟"

"بیٹی! مجھے تو معلوم نہیں کہ لندن میں کیا واقعہ ہوا تھا۔ البتّہ اُن دنوں تمہارے ابّو لندن ہی میں تھے۔ وہ وہاں اعلا تعلیم حاصل کرنے کے لیے گئے تھے۔" امی نے جواب دیا۔

"پھر اس اجنبی نے کِس واقعے کا ذکر کیا ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"کوئی واقعہ ہوا ہوگا، تمھارے ابّو ہی کو معلوم ہوگا۔ وہ شام کو آئیں گے تو انھیں سے پوچھ لینا۔" امّی نے جواب دیا۔

امّی کا مختصر جواب سُن کر فرزانہ واپس اپنے کمرے میں آگئی اور دوبارہ اپنے اسکول کا کام کرنے لگی۔ اس طرح کافی وقت گزر گیا، یہاں تک کہ شام ہو گئی اور ابّو بھی گھر آگئے۔ منھ

ہاتھ دھو کر وہ جب چائے پینے کے لیے بیٹھے تو انھوں نے فرزانہ کو بھی بلالیا۔ ابو کی عادت تھی کہ وہ فرزانہ ہی کے ساتھ کھاتے پیتے تھے۔ فرزانہ ان کے پاس پہنچی تو میز پر رس گلّے دیکھ کر بہت خوش ہوئی، کیوں کہ اُسے رس گلّے بہت زیادہ پسند تھے۔ خوشی کے مارے اس نے ابّو کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ ابّو نے بھی اسے پیار کرتے ہوئے کہا،

"آج تو ہماری بیٹی بہت خوش نظر آرہی ہے۔"

"جی ہاں ابو! آج آپ میری پسند کی مٹھائی جو لائے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

پھر ابّو نے اپنے ہاتھ سے ایک رس گلّہ فرزانہ کے منھ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"آج ہماری بیٹی نے صبح سے کیا کیا کام کیے ہیں؟" ابّو روزانہ اس سے اسی طرح دن بھر کی مصروفیات کے بارے میں پوچھتے تھے۔ ہر اچھے کام پر اُسے شاباشی اور انعام دیتے۔ اگر کوئی غلطی ہو جاتی یا کوئی بات ابّو کو ناپسند ہوتی تو وہ اسے سمجھاتے کہ اس قسم کے کام کرنے سے کیا کیا نقصانات ہوتے ہیں۔

چناں چہ آج جب ابّو نے اس سے دن بھر کے کاموں کی تفصیل پوچھی تو فرزانہ نے انھیں بتایا کہ اسکول سے آنے کے بعد اس نے امّی کے کاموں میں کتنا ہاتھ بٹایا۔ اسکول کا کتنا کام کیا اور دوسری کون کون سی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد اس نے اپنے ابّو کو اس اجنبی کے متعلق بتایا کہ وہ کیسا تھا۔ کیسے کپڑے پہنے ہوتے تھا اور کس طرح بات کررہا تھا۔

اجنبی کے متعلق سُن کر فرزانہ کے ابّو بھی سوچنے لگے کہ ایسا کون شخص ہو سکتا ہے جو یوں اُن کے گھر میں آنا چاہتا تھا۔ وہ بڑی دیر تک سوچتے رہے، لیکن انھیں ایسا کوئی شخص یاد نہ آیا جو اُن سے اتنا بے تکلف ہو کہ جس نے جاتے وقت اپنا نام بتانا بھی ضروری نہ سمجھا۔ آخر جب ابّو کو سوچتے سوچتے کافی دیر ہو گئی تو فرزانہ نے پوچھا،

"ابو لندن میں کیا ہوا تھا؟ ۱۹۵۰ء کا وہ کونسا واقعہ ہے جس کے متعلق اس اجنبی نے کہا ہے کہ آپ اُس واقعے کو یاد کرلیں؟"

"اوں۔" ابّو نے جیسے چونکتے ہوئے کہا۔ "لندن کا بس ایک ہی واقعہ ہے جو مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔"

"وہ واقعہ ہمیں بھی سنائیے۔" فرزانہ نے کہا۔

"بھئی واقعہ یہ تھا۔۔۔" ابّو نے کہا، "میں اعلا تعلیم کے لیے لندن گیا تھا۔ جب تک میری تعلیم جاری رہی اس وقت تک تو میں لندن میں رہا۔ اس کے بعد جب تعلیم ختم ہوئی تو مجھے لندن ہی میں ایک ملازمت مل گئی۔ میں نے سوچا کہ ایک سال تک یہیں ملازمت کر کے تجربہ حاصل کر لوں، اس لیے میں نے وہ ملازمت قبول کر لی۔ ملازمت کرنے کے بعد میں ایک ہوٹل میں رہنے لگا۔ مجھے اس ہوٹل میں رہتے ہوئے دس مہینے ہو چکے تھے۔ دو مہینے کے بعد مجھے اپنے وطن واپس آنا تھا۔ اتنے دن ملازمت کرنے کی وجہ سے میرے پاس کافی پیسہ بھی جمع ہو گیا تھا۔ چناں چہ ایک دن میں نے سوچا کہ اپنے تمام رشتے داروں اور دوستوں کے لیے لندن سے اچھے اچھے تحفے خریدوں۔ چناں چہ میں بازار گیا اور بڑی دیر تک بازار میں گھوم پھر کر بہت سارے تحفے خریدے اور اپنے ہوٹل میں آ گیا۔

بازار میں دیر تک گھومنے کی وجہ سے میں بہت تھک گیا تھا، اس لیے کھانا کھاتے ہی مجھے نیند آنے لگی اور میں بستر پر لیٹ کر سو گیا۔ کافی دیر بعد اچانک شور کی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی۔ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھا تو لوگ شور مچاتے اِدھر سے اُدھر بھاگ رہے ہیں۔ ہوٹل میں دھواں بھی ہے جو رفتہ رفتہ بڑھتا جا رہا ہے۔ کسی نے مجھے بتایا کہ ہوٹل کی دوسری منزل پر بجلی کے تاروں میں خرابی کی وجہ سے ہوٹل میں آگ لگ گئی ہے اور اب اتنی پھیل چکی ہے کہ باہر نکلنے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا ہے۔ میرا کمرہ ہوٹل کی چوتھی منزل پر تھا۔ ہوٹل کی عمارت پانچ منزلہ تھی، اس لیے میرے کمرے کے اوپر بھی ایک منزل تھی۔ اس وقت آگ بجھانے والی گاڑیاں بھی پہنچ چکی تھیں اور آگ پر پانی پھینک رہی تھیں، لیکن آگ تھی کہ قابو میں نہیں آتی تھی۔ فائر بریگیڈ کے آدمی اندر پھنسے ہوئے تھے لوگوں کو نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہوٹل کے باہر اُن لوگوں نے ایک بہت بڑا جال تان دیا تھا۔ اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اعلان کر رہے تھے کہ اندر پھنسے ہوئے لوگ اس جال میں کود پڑیں۔ انھیں کوئی چوٹ نہیں لگے گی۔ بہت سے لوگ تو اعلان سن کر کود پڑے لیکن بہت سے آدمی پھر بھی ڈر رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ اگر یہ لوگ اس جال پر نہ کودے

تو زندہ نہ بچیں گے۔ چناں چہ میں نے ان کی جان بچانے کا فیصلہ کر لیا اور عورتوں اور بچّوں کو گھسیٹ کر کھڑکیوں کے ذریعے اس جال پر پھینکنے لگا۔ اس عرصے میں دھواں اور آگ بڑھتی جا رہی تھی۔ دھواں تو اتنا زیادہ ہو گیا تھا کہ سانس بھی نہیں لی جا رہی تھی۔ آنکھیں کھلتی ہی نہیں تھیں۔ اب آگ چوتھی منزل پر پہنچ چکی تھی۔ بہت سے لوگ دم گھٹ کر بے ہوش ہو چکے تھے۔ میں سانس روک کر ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھتا اور جہاں کوئی بے ہوش آدمی میرے ہاتھ سے ٹکرا جاتا اُسے گھسیٹ کر کھڑکی کے پاس لاتا اور نیچے جال پر پھینک دیتا۔ اس کام میں میں بھی کئی جگہ سے جل گیا تھا۔ آخر میں یہ ہوا کہ میں ایک آدمی کو جب نیچے پھینک رہا تھا تو دھوئیں اور آگ کی گرمی کی وجہ سے میں بھی چکرا گیا اور نیچے گر پڑا۔ پھر مجھے ہوش نہیں رہا۔ میری آنکھ تو ایک ہسپتال میں کھلی تھی۔ جہاں لوگوں نے مجھے بتایا کہ میں تقریباً دو دن بے ہوش رہا۔ چوں کہ میں بے ہوشی کی حالت میں نیچے گرا تھا، اس لیے جال پر پہنچنے کی بجائے نیچے گرا تھا۔ میرے

پیروں کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں اور کئی جگہ زخم آئے تھے جو آگ سے جلنے کی وجہ سے ہوئے تھے، میرے بدن کا بہت سارا خون نکل گیا تھا اور میرے زندہ بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ اس وقت ہمارے ہی ملک کے کسی آدمی نے اپنا خون دے کر میری جان بچائی تھی۔"

"یہ واقعہ کس سنہ کا ہے؟" فرزانہ کی امّی نے پوچھا۔

"بیگم! میں نے آپ کو بتایا تو تھا یہ واقعہ ۱۹۵۰ء ہی کا ہے۔" ابو نے کہا۔

"ابّو پھر آپ کتنے دن تک ہسپتال میں رہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"آپ نے جو اتنے آدمیوں کی جان بچائی تھی اور اس کوشش میں خود جو زخمی ہو گئے تھے، اس کی لندن والوں نے تو آپ کی بڑی تعریف کی ہوگی۔" فرزانہ نے کہا۔

ابو نے کہا، "بیٹی! اس واقعے کی خبریں تو ہمارے ملک کے اخباروں میں بھی چھپی تھیں۔"

ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ فرزانہ نے کہا،

"ابّو! یہ وہی آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے گھنٹی بجانے کے بجائے اسی طرح دستک دی تھی۔"

ابّو تو اُس آدمی سے ملنے کے لیے باہر چلے گئے اور فرزانہ سوچنے لگی کہ یہ آدمی ہرگز وہ نہیں ہو سکتا جس نے ابّو کی جان بچائی تھی، کیوں کہ ابّو نے اسے بتایا تھا کہ دوسروں کے کام آنے والے لوگ بڑے رحم دل ہوتے ہیں اور اس آدمی نے صبح جس طرح اس سے بات چیت کی تھی وہ تو سخت بدتمیزی تھی۔ اس نے امّی سے پوچھا،

"امّی! کیا رحم دل لوگ بدتمیز ہوتے ہیں؟"

"نہیں بیٹی، رحم دل لوگ تو دوسروں کے دُکھ بٹاتے ہیں۔ وہ کسی سے بدتمیزی کر کے اس کا دل کیوں دکھانے لگے؟" امی نے کہا۔

امی کا جواب سُن کر فرزانہ نے دل ہی دل میں یقین کر لیا کہ یہ آدمی ہرگز رحم دل نہیں ہے۔ تھوڑی دیر بعد ابّو نے دیوان خانے سے فرزانہ کو آواز دے کر باہر بلایا اور امّی کو بھی اپنے ساتھ لانے کے لیے کہا۔ جب وہ دونوں دیوان خانے میں پہنچیں تو فرزانہ نے پہچان لیا کہ آنے والا وہی اجنبی تھا جس سے صبح خود اس نے بات چیت کی تھی۔ دونوں کو دیکھ کر ابّو نے کہا،

"اِن سے ملو۔ یہ مسٹر ہارون ہیں۔ یہ وہی صاحب ہیں جنھوں نے لندن میں میری جان بچائی تھی۔ اب یہ کچھ دن تک ہمارے ساتھ ہی رہیں گے، اس لیے میں نے سوچا کہ تم دونوں سے ان کا تعارف کرادوں۔ ان کے لیے کمرے کا انتظام کردو۔"

"لیکن اس وقت تو کمرے کی صفائی کرنا مُشکل ہے۔" امّی نے کہا۔

"یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔" ابّو کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ہارون نے کہا۔ "آپ دونوں مل کر کمرے کی صفائی کردیں، بستر بچھادیں اور میز پر کھانے پینے کے لیے کچھ سامان ضرور رکھ دیں۔"

ہارون کا لہجہ ایسا تھا جیسے گھر کا اصل مالک وہی ہو۔ فرزانہ کو تو خیر اس کا لہجہ پہلے ہی اچھا نہیں لگتا تھا، لیکن اس وقت جب اس نے امّی اور ابو کی طرف دیکھا تو اس کے لیے یہ سمجھ لینا مشکل نہیں تھا کہ ان دونوں کو بھی ہارون کا لہجہ اچھا نہیں لگا تھا، لیکن وہ دونوں شاید مہمان کا لحاظ کرکے خاموش تھے۔ اس طرح ہارون فرزانہ کے گھر رہنے لگا۔ وہ روزانہ اچھّے اچھّے کھانوں کی فرمائش کرتا اور دن بھر اپنے کمرے میں پڑا رہتا۔ فرزانہ کے ساتھ اس کی امی اور ابّو بھی اس شخص کی وجہ سے پریشان تھے۔ ایک دن جب فرزانہ کی امّی نے فرزانہ کے ابّو کو پریشان دیکھ کر کہا تھا کہ "آپ اسے گھر سے نکال کیوں نہیں دیتے؟" تو ابّو نے کہا تھا کہ ہارون کا بیان ہے کہ وہ بے روزگار ہوگیا ہے اور یہاں ملازمت کی تلاش میں آیا ہے۔ اگر میں نے اسے نکال دیا تو یہ ہمیں بدنام کرے گا کہ ہم ایک پریشان حال آدمی کی مدد نہیں کرسکے اور ایسے آدمی کی جس نے میری جان بچائی تھی۔ یہ بڑی بُری بات ہوگی۔ میونسپلٹی کے انتخابات ہونے والے ہیں اور میں بھی اس میں امیدوار ہوں۔ اگر ہارون نے لوگوں کو بتایا کہ میں نے اس کی مدد نہیں کی تو لوگ سمجھیں گے کہ جو آدمی اپنی جان بچانے والے کے کام نہیں آسکا وہ ہمارے کیا کام آئے گا؟"

فرزانہ نے ابّو کی تمام باتیں سُنیں تو سمجھ گئی کہ یہ ہارون زبردستی ہمارے گھر رہنا چاہتا ہے۔ اُس نے اُس آدمی کا ذکر اپنی سہیلی دُردانہ سے بھی کیا۔ دونوں سہیلیاں بڑی دیر تک ہارون کے متعلق باتیں کرتی رہیں۔ دونوں کو یقین ہوگیا کہ یہ آدمی وہ نہیں ہے جس نے فرزانہ کے ابّو کی جان بچائی تھی۔ پھر وہ دونوں اس آدمی سے چھٹکارا پانے کی ترکیبیں سوچتی رہیں،

لیکن کوئی ترکیب سمجھ میں نہ آئی ۔

ہارون کو فرزانہ کے گھر میں رہتے ہوئے چھے سات دن گزر چکے تھے۔ اتنے دنوں میں فرزانہ کے ابّو نے کئی مرتبہ ہارون کے لیے ملازمت بھی تلاش کی، لیکن ہر بار اس نے کسی نہ کسی بہانے سے ابّو کو ٹال دیا۔ اِدھر فرزانہ اور دُردانہ بھی اسے بھگانے کی نئی نئی ترکیبیں سوچتیں۔ آج بھی اسکول سے واپس آتے وقت اسی کے متعلق باتیں کر رہی تھیں۔ راستے میں خالہ عطیہ کی دکان پڑتی تھی۔ دونوں نے سوچا کہ چل کر خالہ عطیہ کی دکان سے ٹافیاں خریدلیں۔ خالہ اصل میں ایک بوڑھی عورت تھیں۔ ان کا بیٹا ہوائی فوج میں نوکر تھا۔ اور کوئی رشتہ دار تھا نہیں۔ بیٹا تو اپنی ڈیوٹی پر رہتا اور خالہ گھر میں تنہا رہتیں، اس لیے خالہ نے دل بہلانے کے لیے یہ چھوٹی سی دُکان کھول لی تھی۔ محلّے کے سارے بچّے خالہ ہی کی دُکان سے چیزیں خریدتے تھے۔

اُس دن جب وہ خالہ کی دُکان میں داخل ہوئیں تو خالہ بڑی خوش نظر آئیں۔ انھوں نے دونوں سے ٹافیوں کے پیسے بھی نہیں لیے بلکہ زبردستی کر کے چائے بھی پلائی۔ خالہ عطیہ کو خوش دیکھ کر دُردانہ نے پوچھا،

"خالہ، آج آپ بہت خوش نظر آرہی ہیں۔ کیا بات ہے؟"

"بیٹی، میں تو ایک ہفتے سے خوش ہوں، کیوں کہ مجھے ایک بن بلائے بدتمیز مہمان سے نجات مل گئی ہے۔" خالہ نے کہا۔

بن بلائے بدتمیز مہمان کا ذکر سُن کر فرزانہ چونک پڑی اور اُس نے خالہ سے کہا،

"خالہ ذرا تفصیل سے بتائیے۔"

"بیٹی، آج سے ایک مہینہ پہلے ایک شخص میرے ہاں آیا تھا" خالہ تفصیل سے بتانے لگیں، "وہ کہتا تھا کہ اُس نے ۱۹۵۱ء میں میرے بیٹے کی جان بچائی تھی۔ مجھے یہ تو معلوم تھا کہ ۱۹۵۱ء میں میرے بیٹے کے ہوائی جہاز میں اچانک کوئی خرابی پیدا ہو گئی تھی اُسے پیراشوٹ کے ذریعے کود کر جان بچانی پڑی تھی۔ اتّفاق سے وہ پیراشوٹ بھی راستے ہی میں پھٹ گیا جس کی وجہ سے میرا لڑکا سمندر میں گر گیا۔ سنتے ہیں کہ ہماری بحری فوج کے کسی جوان نے اس کی جان بچائی تھی۔ سمندر میں گرتے وقت وہ چوں کہ بے ہوش ہو چکا تھا، اس لیے اُسے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اس کی جان بچانے والا کون شخص تھا۔ اب میرے پاس جو آدمی آیا تھا اس نے کہا کہ بحری فوج سے اس کی

ملازمت ختم ہو چکی ہے اور وہ نئی ملازمت کی تلاش میں یہاں آیا ہے، لیکن بیٹی، میرے پاس وہ تقریبًا ایک مہینے رہا، اس دوران میں اس نے ملازمت تو کوئی تلاش نہیں کی۔ البتہ وہ چھے اچھے کھانوں کی فرمائشیں کرتا رہتا۔ میں اسے اپنے گھر سے نکال بھی نہیں سکتی تھی۔ کیوں کہ محلّے والوں نے مجھے محلّہ کمیٹی کا صدر بنایا ہے۔ اس کا تو کام ہی دوسروں کی خدمت کرنا ہے۔ اگر میں اسے نکال دیتی تو وہ محلّے میں مجھے بدنام کرتا کہ میں نے اس کی کوئی مدد نہیں کی۔ ایسی صورت میں محلّے والے مجھ سے ناراض ہو جاتے کہ میں نے جب اپنے بیٹے کی جان بچانے والے کی کوئی مدد نہیں کی تو باقی لوگوں کی کیا خدمت کروں گی۔ وہ تو خدا کا شکر ہے کہ وہ خود ہی چلا گیا۔"

"وہ آپ کے یہاں سے کس دن گیا ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"پچھلے منگل کی شام کو وہ گھر سے گیا تو پھر لوٹ کر نہیں آیا۔" خالہ نے کہا۔

"خالہ اُس کی شکل و صورت کیا تھی؟" فرزانہ نے پوچھا۔ پھر خالہ عطیہ نے اس آدمی کا جو حلیہ بتایا تو وہ بالکل ہارُون سے ملتا جُلتا تھا، اس لیے فرزانہ نے پوچھا،

"اچھا خالہ، یہ تو بتائیے کہ اس کا نام کیا تھا؟"

"مجھے اس نے نام دلاور بتایا تھا۔" خالہ نے جواب دیا۔

"اچھا خالہ بس ایک بات اور بتا دیجیے۔" فرزانہ نے کہا "آپ کے بیٹے کو جو حادثہ پیش آیا تھا کیا اس کی خبر اخباروں میں چھپی تھی۔ اور یہ حادثہ کب پیش آیا تھا؟"

"بیٹی اس حادثے کی خبر تو سارے اخباروں میں چھپی تھی۔ رہ گئی تاریخ تو وہ مجھے ٹھیک یاد نہیں۔ بس اتنا یاد ہے کہ یہ ۱۹۵۱ء کی بات ہے۔ سردیوں کے دن تھے، لیکن تم یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہی ہو؟" خالہ نے کہا۔

"بس یوں ہی معلوم کیا تھا۔" فرزانہ نے جواب دیا اور اپنی سہیلی دُردانہ کو چلنے کا اشارہ کیا۔

خالہ کی دکان سے باہر آنے کے بعد اس نے دردانہ سے کہا کہ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ہارون وہ آدمی نہیں ہے جس نے لندن میں ابّو کی جان بچائی تھی۔ دُردانہ نے کہا کہ وہ بھی یہی سمجھتی ہے۔ پھر دونوں سہیلیوں نے بڑی دیر تک سوچنے اور مشورہ

کرنے کے بعد ہارون سے نجات پانے کی ایک ترکیب سوچ ہی لی۔ اس ترکیب پر عمل کرنے سے پہلے وہ سیدھے ایک اخبار کے دفتر پہنچی۔ وہاں انہوں نے ایڈیٹر سے کہا کہ وہ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۱ء کے اخبارات دیکھنا چاہتی ہے۔ اخبار کے ایڈیٹر نے اُن سے پوچھا کہ وہ ان اخبارات میں کیا دیکھنا چاہتی ہیں؟ تو ان دونوں نے اسے بتا دیا کہ ان اخبارات میں وہ ایک خبر تلاش کرنا چاہتی ہیں، لیکن انھوں نے ایڈیٹر کے بار بار پوچھنے کے باوجود یہ نہیں بتایا کہ انھیں کس خبر کی تلاش ہے۔ اخبار کا ایڈیٹر ان چھوٹی چھوٹی بچیوں کی ذہانت اور خبروں سے ان کی دلچسپی دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اپنے دفتر کے ایک ایک آدمی کو بلا کر ہدایت کی کہ یہ بچیاں جو اخبار دیکھنا چاہتی ہیں انھیں دکھا دیے جائیں۔ ان اخبارات میں فرزانہ اور دُردانہ کو وہ خبریں مل گئیں۔ خبریں اچھی طرح پڑھ لینے کے بعد یہ دونوں بچیاں اخبار کے دفتر سے نکل کر سیدھے تھانے پہنچیں اور تھانے دار کو ساری کہانی سنائی، لیکن تھانے دار نے مسکرا کر فرزانہ سے کہا،

"بیٹی، یہ تو بتاؤ کہ کیا تمھارے ابو نے اس آدمی کو اپنے گھر میں رہنے کی خود اجازت دی ہے؟"

"جی ہاں!" فرزانہ نے مختصر سا جواب دیا۔

"جب تمھارے ابو خود ہی اُسے اپنے گھر میں رکھنا چاہتے ہیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم ابھی اتنی چھوٹی ہو کہ تمھاری دی ہوئی اطلاع پر ہم کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔" تھانے دار نے دونوں کو سمجھایا پھر پوچھا، "اچھا یہ تو بتاؤ کہ تمھارا وہ مہمان کبھی تمھیں ٹافیاں وغیرہ بھی کھلاتا ہے؟"

"وہ ہمیں کیا ٹافیاں کھلائے گا۔ وہ تو ہمارے حصے کی چیزیں بھی چٹ کر جاتا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"بس بس! میں سمجھ گیا۔" تھانے دار نے کہا، "تم اسی لیے اپنے مہمان سے ناراض ہو۔ اب اچھی بچیوں کی طرح سیدھی گھر چلی جاؤ۔ تمھارے ابو ضروری سمجھیں گے تو خود ہمارے پاس آجائیں گے۔"

دونوں سہیلیوں کو مجبوراً واپس آنا پڑا۔ دونوں کو بہت افسوس ہوا کہ تھانے دار

نے صرف چھوٹے ہونے کی وجہ سے ان کی بات پر یقین نہیں کیا۔ اسی افسوس میں وہ دونوں لڑکیاں خاموشی سے راستہ طے کر رہی تھیں کہ اچانک پیچھے سے کسی آدمی نے اُن کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر انھیں روک لیا اور کہا،

"بچیو! ڈرو نہیں۔ میں خفیہ پولیس کا انسپکٹر ہوں۔ ابھی ابھی تھانے دار نے مجھے بتایا کہ تم دونوں تھانے آئی تھیں اور تھانے دار کو ایک دل چسپ کہانی سنائی تھی۔ میں بہت دنوں سے ایک دھوکے باز کو گرفتار کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم مجھے بھی وہ کہانی سنا دو، ہو سکتا ہے یہ وہی دھوکے باز ہو جس کی مجھے تلاش ہے۔"

انسپکٹر کے کہنے پر فرزانہ نے پورا واقعہ دوبارہ تفصیل سے سنا دیا۔ واقعہ سننے کے بعد انسپکٹر نے اس سے کئی سوالات کیے۔ ہارون کا حلیہ معلوم کیا اور اس کے بعد کہا،

"اب تم اپنے گھر چلی جاؤ۔ آج شام تک تمھیں اس بن بلائے مہمان سے نجات مل جائے گی۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا کہ مجھ سے ملاقات

کی بات اپنے ابّو یا امّی سے مت کہنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دھوکے باز تمھاری گفت گو سُن لے اور ہوشیار ہو جائے۔ پھر وہ ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا۔"

دونوں بچیّوں نے انسپکٹر سے وعدہ کیا کہ وہ اس واقعے کا کسی سے ذکر نہیں کریں گی۔ پھر وہ دونوں گھر چلی آئیں۔ دُردانہ بھی آج اپنی امی سے اجازت لے کر فرزانہ کے گھر چلی آئی تھی، کیوں کہ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ آج صبح کی بھاگ دوڑ کا کیا نتیجہ نکلا؟

شام کو جب فرزانہ کے ابّو دفتر سے لوٹے تو ہمیشہ کی طرح انھوں نے فرزانہ کو اپنے پاس بلایا اور اس سے دن بھر کے کاموں کی تفصیل پوچھنے لگے۔ اسی وقت کسی نے اطلاع دینے والی گھنٹی بجائی۔ ابّو، فرزانہ اور دُردانہ کے ساتھ دیوان خانے ہی میں بیٹھے ہوئے تھے، اس لیے انھوں نے وہیں سے آواز دے کر گھنٹی بجانے والوں کو اندر بلا لیا۔ یہ وہی خفیہ پولیس کا انسپکٹر تھا۔ اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا۔ اس نے دیوان خانے میں داخل ہو کر ابو کو سلام کیا اور کہا،

"میرا نام سلیم ہے اور میں خفیہ پولیس انسپکٹر ہوں۔ آپ کے پاس ایک صاحب مسٹر ہارون ٹھیرے ہوئے ہیں میں انہی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

فرزانہ کے ابو نے انسپکٹر سلیم کو بیٹھنے کے لیے کہا اور خود جا کر ہارون کو اپنے ساتھ لے آئے۔ وہ جیسے ہی دیوان خانے میں داخل ہوا تو انسپکٹر سلیم کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ ادھر انسپکٹر سلیم نے اسے دیکھ کر کہا،

"آؤ حکیم خان! بہت دنوں بعد ملے ہو۔ آج ہم تمھیں گرفتار کرنے آئے ہیں۔"

"لیکن یہ تو مسٹر ہارون ہیں۔" فرزانہ کے ابّو نے کہا۔

"واؤد صاحب! آپ نہیں پہچانتے۔" انسپکٹر نے کہا۔ "یہ بہت بڑے دھوکے باز ہیں۔ کبھی یہ ہارون بن جاتے ہیں۔ کبھی دلاور کبھی کچھ، لیکن ان کا اصلی نام حکیم خان ہے۔"

"لیکن آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ شخص میرے گھر میں ہے۔" فرزانہ کے ابّو نے پوچھا۔ جواب میں انسپکٹر نے فرزانہ کی طرف صرف اشارہ کر دیا۔ پھر جب ابو کو پوری کہانی تفصیل سے معلوم ہوئی تو انھوں نے فرزانہ کی عقل مندی پر خوش ہو کر اُسے گود میں اٹھا لیا۔ ڈھیر سارے پیار کیے اور بہت سا انعام دیا، کیوں کہ فرزانہ کی بدولت انھیں اس بن بلائے مہمان سے نجات ملی تھی۔

بچّوں میں دانتوں کی حفاظت کا احساس پیدا کیجیے

انہیں صبح و شام نیموڈینٹ سے دانت صاف کرنے کی عادت ڈالیے

بچوں کو دانتوں کی صفائی پر مائل کرنا اب کچھ مشکل نہیں۔ ان میں یہ صحت مند عادت ڈالنے کے لئے لیموں، اناناس اور اسٹرابیری ذائقہ کا نیموڈینٹ خاص طور پر تیار کیا گیا ہے۔ نیم جیسے آپ کے مسوڑوں اور دانتوں کے لئے مفید ہے ویسے ہی بچوں کے ناپختہ دانتوں اور نرم و نازک مسوڑوں کے لئے بھی ضروری ہے۔ اس سے زندگی بھر مسوڑے صحت مند اور دانت خوش آب رہتے ہیں۔ بچوں کا نیموڈینٹ ان کے دانتوں، مسوڑھوں کی طرح نازک ہے۔

بچوں کے لئے خصوصی پیکنگ ۳ ذائقے: لیموں، اناناس، اسٹرابیری

نیموڈینٹ

نیم کے موثر جوہر سے تیار کیا ہوا ٹوتھ پاوڈر گھر میں سب کے لئے یکساں مفید

بڑوں کے لئے نیموڈینٹ الگ پیکنگ میں دستیاب ہے

ہمدرد

Adarts H/NDT 4/73

جاگو جگاؤ

ہمدرد اِنسائیکلوپیڈیا
نونہالانِ وطن کے لیے

۲۷۶۸۱۱	+	شانے اور کہنی کے درمیان کی ہڈی	X	۲۶۸۹۴
۳۳۶۸۲۹	+	کہنی اور کلائی کے درمیان کی ہڈی	X	۳۶۲۷۱
۳۲۶۰۱۰	+	ران کی ہڈی	X	۱۶۸۸۰
۳۰۶۹۷۰	+	پنڈلی کی ہڈی	X	۲۶۳۷۶

پیارے بچو! جاگو جگاؤ، علم حاصل کرو اور علم کی شمع ہاتھ میں لے کر دوسروں تک علم کی روشنی پہنچاؤ۔
علم حاصل کرنا اور دوسروں تک علم کی روشنی پہنچانا بڑا مقدس کام ہے۔ حکیم محمد سعید، ہمدرد

س: میں نے کہیں پڑھا ہے کہ اگر سائنس دانوں کو لاکھوں سال پہلے کے کسی انسان کی کوئی ایک ہڈی مل جائے تو وہ اس انسان کا قد دریافت کر لیتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو کسی ایک ہڈی کے ذریعے قد معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

کالج کا ایک طالب علم

ج: انسان کے جسم کی چار بڑی ہڈیوں اور پورے قد میں بہت ہی قریبی تعلق ہے۔ یہ چار بڑی ہڈیاں یہ ہیں:

(۱) شانے اور کہنی کے درمیان کی ہڈی۔
(۲) کہنی اور کلائی کے درمیان کی ہڈی
(۳) ران کی ہڈی
(۴) پنڈلی کی ہڈی

علم الانسان کے ماہرین کو اگر مندرجہ بالا ہڈیوں میں سے کوئی ایک ہڈی مل جائے تو وہ اس ہڈی کی لمبائی ناپ کر انسائیکلو پیڈیا کے سرورق پر دیے گئے چارٹ میں بتائے ہوئے طریقے سے انسان کا قد معلوم کر لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ران کی ہڈی سولا (۱۶) انچ لمبی پائی گئی تو وہ اس ہڈی کی لمبائی کو ۱۶۸۸۰ (1.880) سے ضرب دے کر حاصل ضرب میں ۳۲۶۰۱۰ (32.010) جمع کر دیتے ہیں جس سے انسان کی سر سے پیر تک اونچائی انچوں میں حاصل ہو جاتی ہے۔

مثال:-

ران کی ہڈی = ۱۶ انچ

= ۱۶۸۸۰ × ۱۶ = ۳۰۶۰۸۰ انچ

پورا قد انچوں میں = ۳۲۶۰۱۰ + ۳۰۶۰۸۰ = ۶۲۶۰۹۰ انچ

قد تقریباً = ۵ ۶۱۷۴ فیٹ

س: یہ تو ٹھیک ہے کہ خوش بُو اور بدبُو کا احساس ہمیں ناک سے ہوتا ہے، لیکن کس طرح؟

محمد یامین۔ کراچی

ج : تمام حواس کا سردار ہمارا دماغ ہے۔ مختلف چیزوں کو محسوس کرنے کے لیے ہمارے دماغ میں مختلف مرکز ہیں۔ بھوک، پیاس، دُکھ، درد، خوشی سب ہمیں دماغ سے ہی محسوس ہوتی ہیں۔ جب ہماری ناک میں کوئی خوشبو یا بدبو آتی ہے تو نہایت باریک اور حسّاس نسوں کے ذریعے یہ احساس دماغ تک پہنچتا ہے۔ دماغ اپنے تجربے کی مدد سے ہمیں بتاتا ہے کہ یہ خوش بُو ہے یا بدبُو اور ہے تو کس چیز کی۔ یہ سارا کرشمہ دماغ کا ہے۔

س: آج کل دل کی بیماریاں عام کیوں ہوگئی ہیں اور یہ بیماری کیوں ہوتی ہے؟

ملک انجم پرویز۔ میر پور خاص

ج : آپ کا سوال تفصیلی جواب چاہتا ہے۔ مختصر جواب یہ ہے کہ دراصل بیماریاں تھیں تو پہلے بھی، لیکن ایک تو وہ تشخیص نہیں ہوتی تھیں، دوسرے اس کثرت سے نہیں تھیں جتنی اب ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ پہلے زمانے میں انسان کی زندگی بڑی پُرسکون تھی۔ پریشانی، گھبراہٹ، تفکرات، وقت کم کام زیادہ، تفریح کی کمی، تیز رفتاری، رہن سہن کی دقتیں، شہروں کے ہنگامے، ہر وقت کی بھاگ دوڑ، تازہ ہوا کا میسّر نہ آنا، بھاری غذا کھانا اور ورزش نہ کرنا ــــ یہ ہیں وہ چند اسباب جو دل کی بیماریاں پیدا کر رہے ہیں۔ ان میں ہائی بلڈ پریشر، اختلاجِ قلب، دل کا درد اور ایسی ہی دوسری شکایات عام ہوتی چلی جا رہی ہیں۔

س : پھول مختلف رنگ کے کیوں ہوتے ہیں؟

عادل رشید، کراچی

ج : پھول اور پتیاں مختلف رنگوں کی اس لیے ہوتی ہیں کہ دُنیا میں ان کی بے شمار اقسام پائی جاتی ہیں۔ یہ قدرت کا انتظام ہے کہ پھولوں کو خوبصورت بنایا اور انھیں طرح طرح کے رنگ دیے۔ ان رنگوں کی وجہ سے شہد کی مکھیاں اور دوسرے کیڑے پھولوں کی طرف آتے ہیں۔ اُن پر بیٹھتے ہیں اور جب اُڑ کر جاتے ہیں تو ان کے پروں اور ٹانگوں کے ذریعے ایک پھول کا زیرہ دوسرے پھول پر چلا جاتا ہے۔ اس طرح بیج بنتے ہیں اور پودوں کی زندگی کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ پھولوں کے مختلف رنگ ان کی اپنی نباتاتی

خصوصیات میں شامل ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے دنیا کے تمام جانداروں کی اپنی اپنی کچھ خصوصیات ہیں۔

س۔ احساسِ کمتری کیا ہے؟ اسے کیسے دُور کیا جا سکتا ہے؟

(رشید انور۔ گوجرانوالہ)

ج۔ احساسِ کمتری اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلے میں کم یا بے حیثیت سمجھنے کو کہتے ہیں اور یہ بعض حالات سے پیدا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک ان پڑھ انسان پڑھے لکھے لوگوں کی مجلس میں اپنے آپ کو کم محسوس کرے گا۔ اسی طرح ایک غریب انسان امیروں کے گھر میں جاکر اپنی مفلسی کو یاد کرے گا۔ اگر یہ احساس حد سے بڑھ جائے اور انسان کے حواس خراب کر دے تو اُسے احساسِ کمتری کہا جائے گا ورنہ بہت سے لوگ اپنی غربت و مفلسی کے باوجود امیروں سے مرعوب نہیں ہوتے۔ والدین کی تربیت شروع سے بعض ناموافق حالات کا سامنا اور سب سے بڑھ کر ایسی چیزوں کی آرزو کرنا جو ایک انسان کی پہنچ سے باہر ہیں، ایک پڑھا لکھا انسان غریب ہونے کے باوجود بے علم دولت مند انسان سے مرعوب نہیں ہوتا۔ یوں بھی انسان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ دنیا میں سب لوگ ایک جیسے امیر یا پڑھے لکھے یا خوبصورت نہیں ہو سکتے۔ خدا نے جیسی شکل اور جیسے حالات دیے ہیں، ان پر قناعت کرنی چاہیے۔ والدین کو بھی اپنے بچوں کو شروع سے خودداری کا سبق دینا چاہیے۔

س۔ اسکی کیا وجہ ہے کہ جب سردیوں کا موسم شروع ہوتا ہے اور ہم سانس لیتے ہیں تو منہ سے بھاپ نکلتی نظر آتی ہے مگر گرمیوں میں ایسا نہیں ہوتا؟ (اعجاز اختر بیابی)

ج۔ سخت سردی کے موسم میں باہر کا درجۂ حرارت ہمارے جسمانی ٹمپریچر کے مقابلے میں بہت کم ہوتا ہے۔ جب ہم منہ سے بھاپ چھوڑتے ہیں تو باہر نکلنے والے اجزاء یکایک سرد ہو کر جم جاتے ہیں اور وہ ہمیں بھاپ کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ یہ محض درجۂ حرارت کا فرق ہے جس سے ہمیں یہ مشاہدہ ہوتا ہے۔

اخبارِ نونہال

بے دُھواں موٹر کار

موٹر کاروں سے جو دُھواں نکلتا ہے وہ ہوا کے ساتھ انسانوں کے جسم میں داخل ہوتا ہے اور صحت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس لیے سائنس دان اس فکر میں ہیں کہ بیٹری سے چلنے والی کاروں کو رواج دیا جائے۔ ماسکو کے انجنیئروں نے ایک نئی قسم کی برقی کار ایجاد کر کے اس سمت میں ایک اہم قدم اٹھایا ہے۔ ماسکو میں اس وقت بیٹری سے چلنے والی کئی کاریں سڑکوں پر چل رہی ہیں۔ ان کاروں میں سامان لایا لے جایا جاتا ہے۔ یہ کاریں جن بیٹریوں سے چلتی ہیں۔ اُن کو خصوصی اسٹیشنوں پر چارج نہیں کرایا جاتا بلکہ ۳۸۰ سے ۲۲۰ وولٹیج والے کسی بھی پاور ساکٹ سے انھیں چارج کیا جا سکتا ہے اور وہ بھی ذرا سی دیر میں۔ یہ موٹر کاریں ۱۲ سیکنڈ میں چالیس کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار اختیار کر لیتی ہیں اور یہ ایک گھنٹے میں زیادہ سے زیادہ ستر میل کی رفتار سے چل سکتی ہیں۔

مرسلہ: ندیم سعید صدیقی، اسلام آباد

بہترین حافظہ

کیا آپ کو کوئی نظم صرف ایک بار سُن کر یا پڑھ کر یاد ہو جاتی ہے؟ آپ کو نہیں تو کورینہ کو تو نظم یا کہانی صرف ایک بار سننے سے یاد ہو جاتی ہے اور وہ اس کو شروع سے آخر

تک دُہرا دیتی ہے۔ یہ بچی مغربی جرمنی کی ہے اور اس کی عمر ساڑھے تین سال ہے۔ اس کے حافظے نے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ کورینہ جو کچھ سنتی ہے اسے یاد کر لیتی ہے اور لفظ بہ لفظ سنا دیتی ہے۔ چیزوں اور انسانوں کے نام ہوں یا تاریخی واقعات، ہر بات اس کے ذہن میں نقش ہو جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کا دماغ نہیں کمپیوٹر ہے۔

اگر حافظہ یادداشت کے اصولوں پر عمل کرے تو ہر نونہال اپنا حافظہ اتنا ہی اچھا کر سکتا ہے۔

مرسلہ: محمد شبیر عزیز، کراچی

حیرت انگیز وصیت نامہ

ایک فرانسیسی صنعت کار موسیو فیورر کا وصیّت نامہ جب پڑھا گیا تو یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ ان کی تمام ٹیکسٹائل ملوں اور کوئلے کی کانوں کی واحد وارث ایک جونک ہے۔ بڑے میاں فیورر کے تمام رشتے دار بڑے لالچی تھے اور ایک ہی تمنا لیے پھرتے تھے کہ کب بڑے میاں جنّت کو سدھاریں اور وہ گل چھرّے اُڑائیں۔ بڑے میاں ان کی "نیک نیتی" کو بھانپ گئے تھے۔ لہٰذا انھوں نے حسابِ دوستاں برابر کرنے کے لیے "خون چوسنے والی جونک" کو اپنا وارث بنا لیا۔ مرنے سے پہلے وہ ایک فرانسیسی وکیل موسیو دینارو کو اس کا سرپرست مقرر کر گئے۔ مرنے کے بعد ان کے رشتے داروں نے وصیّت نامے کے خلاف اپیل دائر کی۔ یہ مقدّمہ کافی طول کھینچ گیا، بالآخر دونوں فریقوں میں مصالحت کرا دی گئی۔ مرسلہ: شمیم احمد، کراچی

بڑے بڑے دانت

وفاقی جمہوریہ جرمنی کے بہت سے اسکولوں میں ڈاکٹر اپنے ساتھ مصنوعی دانتوں کا سیٹ لا کر بچّوں کو سمجھاتے ہیں کہ دانتوں کا روزانہ صاف کرنا کتنا ضروری ہے اور دانت صاف کرنے سے بیماریوں اور دکھ درد سے نجات ملتی ہے۔ بچے ان بڑے بڑے دانتوں کو اور لمبے لمبے برشوں کو دیکھ کر بے ساختہ ہنسنے لگتے ہیں اور دانتوں کو صاف کرنے کے خیال سے مانوس ہو جاتے ہیں۔ مرسلہ: محمد انور راہی، کوٹلہ تیہ۔ گوجرانوالہ

شامِ ہمدرد

راولپنڈی ۳۰ر نومبر ۱۹۷۶ء

موضوع:

اخلاق وثقافت کا باہمی رشتہ

انسان نے ہر دور میں اور ہر علاقے میں سب سے پہلے زندگی کے معنی اور مقصد کا تعین کیا ہے اور اسی سے اخلاقی معیار نے جنم لیا۔ اعجاز فاروقی

جناب بریگیڈیر گلزار احمد
صدر مجلس

جناب اعجاز فاروقی
مہمان مقرر

جناب حکیم محمد سعید
میزبان مقرر

نونہال مصوّر

انور محمود انصاری، کراچی

قرۃ العین ہما، سکھر

محمد خالد مسعود ناز
بلوخیل ضلع میانوالی

مشتاق احمد قریشی
میرپورخاص

صحت مند نونہال

کھتری اُم کلثوم مہر علی پٹیل، کراچی

محمد انیس بٹ، سیالکوٹ

محمد جاوید صنم، کراچی

نجم الثاقب، کراچی

سعدیہ جبیں

اشعر حسین، نواب شاہ

محمد طارق مغل، لاہور

نوید کاشف - نواب شاہ

نعیم اختر - کراچی

محمد خضر حیات - کراچی

محمد اسلم بیگ، کراچی

محمّد علی مغل، لاہور

پروین فاطمہ، کراچی

شمائلہ احمرین

شیخ وسیم گل، شکارپور

محمد سعید چیمہ، سیالکوٹ

سلسلہ ۱۲۹

معلوماتِ عامہ

مُرتّبہ: کھتری عِصمت علی پٹیل

نیچے لکھے ہوئے سوالات کے جوابات ۲۰ جنوری ۱۹۷۷ء تک ہمیں بھیج دیجیے اور ان پر معلوماتِ عامہ ۱۲۹ ضرور لکھ دیجیے۔ جوابات ایک کاغذ پر نمبر وار لکھیے اور آخر میں اپنا نام اور پتا بھی لکھیے۔ تصویر کے پیچھے اپنا نام اور اپنے شہر یا قصبے کا نام ضرور لکھیے۔ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام اور تصویریں مارچ ۱۹۷۷ء کے شمارے میں شائع کی جائیں گی۔

۱۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ سورۃ رحمٰن میں "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ" کتنی مرتبہ استعمال ہوا ہے؟

۲۔ بتائیے کس اسلامی ملک کا قومی دن یکم جنوری کو منایا جاتا ہے؟

۳۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ بنولے کا بیج کس پودے سے حاصل کیا جاتا ہے؟

۴۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ الیکٹرک ویلڈنگ ۱۸۷۷ء میں کس سائنس دان نے ایجاد کی؟

۵۔ بتلائیے سلطنت عمان کے دار الحکومت کا کیا نام ہے؟

۶۔ علامہ اقبال کس مضمون میں ڈاکٹر تھے؟ یا انھوں نے کس مضمون میں پی ایچ۔ ڈی کیا تھا؟

۷۔ کیا آپ کو معلوم ہے "بالابین" (پیریسکوپ) کس کام آتا ہے؟

۸۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ پولینڈ کے پرچم کو اگر اُلٹ دیا جائے تو وہ کس اسلامی ملک کا پرچم بن جاتا ہے؟ اس اسلامی ملک کا نام بتائیے۔

۹۔ پاکستان میں ۱۹۷۶ء کو قائدِ اعظم کا سال قرار دیا گیا تھا۔ بتائیے نیا سال ۱۹۷۷ء کس شخصیت سے منسوب کیا گیا ہے؟

۱۰۔ یورپ میں واقع دو مسلمان ملکوں کے نام بتائیے؟

رنگ برنگی پھلجھڑیاں

★ مریض: (ڈاکٹر سے) کیا آپ نے کسی دن گدھے کا علاج کیا ہے؟

ڈاکٹر (متانت سے) جی نہیں آج پہلا اتفاق ہے۔

محسن قادری، اسلام آباد

★ اسمبلی کے ایک امیدوار نے ووٹروں کے ایک مجمع میں ایک طویل تقریر کے بعد کہا، "میں آپ کے لئے سب کچھ کر دوں گا لیکن خدا کے فضل و کرم سے میں اپنا ضمیر نہیں بیچوں گا۔"

ایک جانب سے آواز آئی،

"چیز وہ بیچی جاتی ہے جو موجود ہو۔"

محمد منان حبیب، کراچی

★ ایک دفعہ ایک شخص کو شور مچانے اور بدتمیزی کرنے پر محفل سے نکال دیا گیا۔ لوگوں نے کہا۔ "یہ تو بہت شرم کی بات ہے کہ تمہیں بھری محفل سے نکال دیا گیا۔" اس شخص نے نہایت اطمینان سے کہا، "خیر کوئی بات نہیں۔ یہ تو چھوٹی سی محفل تھی، مجھے تو بڑی بڑی محفلوں سے نکالا گیا ہے۔"

سید اعجاز کاظم نقوی، کراچی

★ ایک جمہوری ملک میں ملاوٹ کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے ایک شخص نے خودکشی کا ارادہ کیا اور اخباروں کے نام ایک خط تحریر کیا:

"میں ہر چیز میں ملاوٹ کے خلاف احتجاج کے طور پر خودکشی کر رہا ہوں۔"

رات کو زہر کھا کر وہ موت کے انتظار میں لیٹ گیا، لیکن صبح سویرے ہی اس کی آنکھ کھل گئی اور اسے پتا چلا کہ جو زہر اس نے استعمال کیا تھا اس میں بھی ملاوٹ تھی۔

سید سہیل انور،

★ ایک خاتون نے ڈاکٹر کے کمرے میں داخل ہوتے ہوتے پوچھا،

"بتایئے ڈاکٹر صاحب، مجھے کیا بیماری ہے؟"

ڈاکٹر نے مسکرا کر جواب دیا، "آنکھوں کی، اگر آپ میرے نام کی تختی غور سے پڑھ لیتیں تو جان جاتیں کہ میں فلسفے کا ڈاکٹر ہوں۔"

سید محمد عمران جعفری، کراچی

★ ٹکٹ کلکٹر (مسافر سے) تم بغیر ٹکٹ سفر کیوں کر رہے ہو؟

مسافر: اب ملک آزاد ہے، ہم آزاد ہیں، اب ملک ہمارا ہے، ریلیں بھی ہماری ہیں، ہر چیز ہماری ہے، پھر ٹکٹ کیسا؟

ٹکٹ کلکٹر: تو جیلیں بھی تو آپ کی ہیں، تشریف لے چلیے۔

رفعت نازنین، کراچی

★ ایک فوجی افسر نے ترقی کی خوشی میں سپاہیوں کی دعوت کی اور حکم دیا کہ کھانے پر اس طرح ٹوٹ پڑو جیسے دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ سپاہیوں نے ویسا ہی کیا۔ ایک سپاہی جب پیٹ بھر چکا تو باقی مٹھائیاں جیب میں رکھنے لگا۔

افسر نے بُرا مناتے ہوئے کہا: "یہ کیا کر رہے ہو؟" سپاہی نے جواب دیا۔

"جتنوں کو مار سکا مار لیا باقی کو قیدی بنا رہا ہوں۔"

★ بیوی (شوہر سے) ارے میں کہتی ہوں کہ تمہارا دوست میری لڑاکا سہیلی سے شادی کر رہا ہے، اسے منع کیوں نہیں کر دیتے؟

شوہر: جب میری تم سے شادی ہو رہی تھی تو اُس نے مجھے کب بتایا تھا۔

خالد مقبول، کراچی

دو مشہور اور نامور ادیب، جارج برنارڈ شا اور چیسٹرٹن بڑے بے تکلف دوست تھے۔

چیسٹرٹن جتنا موٹا تازہ تھا، برنارڈ شا اتنا ہی دُبلا پتلا۔ ایک دن چیسٹرٹن نے برنارڈ شا پر پھبتی کستے ہوئے کہا،

"دوست، اگر کوئی غیر ملکی تمہیں دیکھ لے تو یہی خیال کرے گا کہ شاید انگلینڈ میں قحط پڑا ہوا ہے۔"

برنارڈ شا نے بے ساختہ جواب دیا،

"ہاں! لیکن جب وہ تمہیں دیکھے گا تو فوراً قحط کی وجہ سمجھ جائے گا۔"

افتخار غضنفر، کراچی

★ استاد (جاوید سے) گویے اور شاعر میں کیا فرق ہے؟

جاوید: جناب بس اتنا فرق ہے کہ گویا گاؤں میں رہتا ہے اور شاعر شہر میں۔

ناصر عالم بھٹی، کراچی

بزمِ نونہال

★ میں ۱۹۶۶ء سے نونہال شوق سے پڑھتا ہوں اور اب میری عمر آپ کی دُعا سے ۱۶ سال ہے یعنی ۶ سال کی عمر سے پڑھ رہا ہوں اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے ۱۹۶۶ء سے تمام شمارے رکھے ہیں اور میں بچّوں کو وہ پڑھنے کے لیے دیتا ہوں۔ نونہال میرا سب سے اچھا رسالہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں معلوماتِ عامّہ، ننھے لکھنے والے یعنی نونہال ادیب، جاگو جگاؤ، خیال کے پھول وغیرہ میرے لیے اچھے مضامین ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ نونہال میں اب وہ کہانیاں بھی شامل کی جائیں جنھیں بڑے بھی دل چسپی سے پڑھیں، مثلاً جاسوسی کہانیاں، آپ بیتی وغیرہ۔ سوال و جواب کا سلسلہ یعنی ہم سوال بھیجیں اور آپ جواب دیں۔ (عبداللہ میمن، حیدرآباد سندھ)

★ ہمدرد نونہال آیا۔ قائدِ اعظمؒ کی مسکراتی ہوئی تصویر نے استقبال کیا۔ حکیم محمد سعید صاحب نے قائدِ اعظم کی خوبیوں کو اس خوبصورتی سے اپنے مختصر مگر معنی خیز کالم میں بیان کیا کہ بار بار پڑھا۔ خیال کے پھول کے سبق آموز اقوال پڑھے۔ مسعود احمد برکاتی صاحب کا "ایک نونہال کا چھپا خط قائدِ اعظم کے نام" آسمان میں تاروں کے درمیان چاند کی مانند تھا۔ شاعر لکھنوی نے اپنی نظم "قائدِ اعظم زندہ باد" سے اس کی شان اور بڑھا دی۔ جناب عبدالغنی شمس کی نظم بھی عمدہ تھی۔ نونہال مصوروں نے بھی دیدہ زیب تصویریں بنائیں۔ جنگلوں کی سیر اور "طرح طرح کی مچھلیاں" دونوں مضمون نہایت معلوماتی تھے۔ بزمِ نونہال میں برکاتی صاحب آپ کا منفرد انداز ہے۔ (۱) پھلجھڑیوں میں کچھ لطیفے پرانے تھے، آپ کو اس کا معیار بھی بلند کرنا چاہیے۔ نونہال کا سرورق ایک دفعہ کسی عظیم شخصیت کا اور دوسری دفعہ کوئی رنگین سا منظر ہو (۲) آپ اپنی تصویر نونہال میں کیوں نہیں دیتے۔ یہ ہم سب نونہالوں کی درخواست ہے۔ (نور سلام، کراچی)

شکریہ۔ (۱) آپ ہی اچھے لطیفے بھیجیے۔ (۲) اچھا، لیکن کیا آپ کو سرورق پر میری تصویر اچھی نہیں لگتی؟ برکاتی۔

★ اس مرتبہ کا رسالہ بہت خوب صورت تھا۔ کہانیاں بھی بہت اچھی تھیں۔ نونہال میں کارٹون ایک ہوتا ہے۔ اگر آپ ایک کے بجائے دو کر دیں تو بہت مہربانی ہوگی۔ (ظہیر الدین بابر، جہلم)

★ دسمبر کا نونہال تھا بے حد ہی پیارا

سرورق تو تھا اس کا بالکل نیارا
اِتنا دل چسپ تھا وہ پیارا شُمارا
کہ پڑھ لیا ایک دَم سارے کا سارا
کہانیاں اور نظمیں تھیں سب اس کی پیاری
دل چسپ عجیب اور کافی معیاری
جاگو جگاؤ کی بھی عجب شان تھی
اُسی سے رسالے کی سب جان تھی

(افتخار احمد، کراچی)

★ دسمبر کے ہمدرد نونہال نے بہت متاثر کیا۔ 'رنگ برنگی پھلجھڑیاں' میں میرے دو لطیفے شائع ہوئے تھے۔ پہلے لطیفے کے آخر میں ملّا نے کہا تھا کہ "یہ آری کا بچّہ ہے، اس نے ابھی دانت نہیں نکالے"۔ لیکن اس میں چھپا ہے کہ "یہ آدمی کا بچّہ ہے، اس کے ابھی دانت نہیں نکلے"۔ یہ غلطی نونہال نوٹ کر لیں۔ (محمد انیس آزاد، رحیم یار خاں)

★ سرورق کو دیکھتے ہی مسعود احمد برکاتی کو داد دینے کو دل چاہا۔ اس مرتبہ کا نونہال انفرادی طور سے بہت اہمیّت کا حامل ہے۔ مسعود احمد برکاتی صاحب نے جس خوبی سے قائدِ اعظم کے بارے میں مضمون دیے ہیں

اُن کا کوئی ثانی نہیں۔ عصمت علی صاحب کو قائدِ اعظم کے بارے میں سوالات پوچھنے پر مُبارک باد۔ رسالہ مجموعی طور پر پچھلے نونہال سے سبقت لے گیا۔ اس مرتبہ نونہال کو والدین نے بھی شوق سے پڑھا۔ (احمد جاوید ہاشمی، کراچی)

★ دسمبر کے ہمدرد نونہال کا شمارہ ملا۔ قائدِ اعظم کی تصویر کا سَرورق اُن کے زرّیں اصولوں کی طرح روشن اور چمک دار تھا۔ اس نونہال میں موجود کہانیاں بھی دل چسپ اور دوسرے مضامین بھی معلوماتی تھے جن سے دماغ کو فرحت اور دل کو سکون حاصِل ہُوا۔

(محمد عارف مغل، لاہور)

★ نئے سال کی خوشی میں ہمدرد نونہال میں صدرِ مجلس جناب حکیم محمد سعید صاحب، مُدیران جناب مسعود احمد برکاتی صاحب اور حکیم محمد یٰسین صاحب کے اِنٹرویو اور تصاویر شائع کی جائیں۔

(مُعین فخر مُعین ہمدانی، کراچی)

★ ہر کہانی اور ہر مضمون اچھا تھا۔ لطیفے کوئی خاص نہ تھے۔ رسالہ روز بروز ترقی کرتا جا رہا ہے۔ اس کا ٹائیٹل چکنے کاغذ کی وجہ سے بہت دل کش نظر آتا ہے۔ "ننھے ادیب" کے مضامین اور کہانیاں کوئی خاص نہ تھیں۔ اِس رسالے کو میرے علاوہ شبّر، انتصار اور زہرہ نے بھی پسند کیا۔ (سیّد مظہر عباس رضوی، اسلام آباد)

★ سب سے پہلے میں نے جاگو جگاؤ پڑھا اور بہت خوشی ہوئی، کیوں کہ میں حکیم صاحب کو اِسی کی فرمائش کرنے والی تھی۔ میں نے رسالے کی ہر چیز پڑھی اور کوئی چیز بُری نہ لگی۔ میری تو ایک خواہش، شکایت یہی ہے کہ آپ انعامی سلسلہ شروع کر دیں۔ خیال کے پھولوں کو تو میں نے اپنے دل کے گل دستے میں سجا لیا ہے۔ قائدِ اعظم کے بارے میں ہر مضمون اور ہر نظم اپنی مثال آپ تھیں۔ واقعی بھائی جان، ہمارے رہنما ہمارے لیے کتنا پیارا ملک چھوڑ کر گئے ہیں۔ ہم ہی لوگوں کو اس ملک کو جنّت بنانا ہے۔ بھائی جان، آپ اور حکیم صاحب جیسے بڑے لوگوں کی دُعائیں اگر اسی طرح ہمارے ساتھ رہیں تو اِنشاءاللہ تعالیٰ اس ملک کو جنّت بنائیں گے ہم۔

(زہرہ علیم، شہناز علیم اور ناہید، سیمہ، غزالہ، حیدر آباد)

★ دسمبر کا نونہال اپنے سرورق پر پسندیدہ شخصیت کی تصویر کے ساتھ جگمگ کرتا ہوا آیا۔ جلدی سے کھول کر پڑھا، دیکھا تو مسعود احمد برکاتی صاحب کا "ایک نونہال کا چھپا خط" پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، کیوں کہ اس میں انھوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ ایک حقیقت ہے۔ جنگلوں کی سیر، ماہ ذی الحجہ کے اہم واقعات، طرح طرح کی مچھلیاں جیسے معلوماتی مضامین پڑھ کر جتنی خوشی ہو وہ کم ہے۔

آئندہ بھی اگر نونہال اسی طرح کی معلومات فراہم کرتا رہا تو انشاءاللہ پاکستان کا بچہ بچہ نونہال کا نام ہمیشہ یاد رکھے گا۔

(نیلو فر زاہد، کراچی)

★ ٹائیٹل اِتنا اچھا کہ تعریف کے لیے الفاظ نہیں ملتے۔ کہانیوں میں لالو اور اس کا شہد، گیل ایک بہادر لڑکا، چار ڈاکو اور دو لڑکے، جنگلوں کی سیر اور طرح طرح کی مچھلیوں سے واقفیت حاصل ہوئی۔ نونہال مصور میں انعام الحق صدیقی کی تصویر لاجواب تھی۔ رنگ برنگی پھلجھڑیاں اچھی تھیں۔ ماہ ذی الحجہ کے اہم واقعات اچھے تھے۔ 'ایک نونہال کا چھپا خط قائدِ اعظم کے نام' ایک عظیم خط تھا۔ کیا علامہ اقبال کے یومِ پیدائش کے موقع پر بھی قائدِ اعظم کی طرح کا شمارہ نکالیے گا؟ (شکیل احمد رضی)

انشاءاللہ۔ مدیر

★ میں نے اور بھی بہت سے رسالوں کا مطالعہ کیا، مگر کیا بات ہے جو لطف اور خوب صورتی آپ کے رسالے میں ہے وہ کسی میں بھی نہیں۔ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح سبق آموز تھا۔ تمام کہانیاں اور نظمیں بھی اچھی تھیں۔ اگر میں نونہال میں اخبارِ نونہال کے لیے کوئی سچی خبر کاپی کے ایک صفحے کے برابر لکھ کر روانہ کروں تو کیا چھپ جائے گی؟ (محمد اظہر حسین، کراچی)

خبر دل چسپ ہوئی تو شائع ہو سکتی ہے۔ مُدیر

★ دسمبر کا نونہال بہت شان دار تھا، خاص طور پر مسعود احمد برکاتی کا خط۔ کہانیاں دل چسپ تھیں۔ اس کے علاوہ ماہ ذی الحجہ کے اہم واقعات بھی دل چسپ تھے۔ لطیفے دل چسپ تھے۔ حلقۂ دوستی ختم کر دیا جائے۔ (امینہ رزاق، کراچی)

★ دسمبر کا رسالہ پوری آب و تاب کے ساتھ آیا۔ اس کا ٹائٹل بہت ہی پسند آیا، کیوں کہ ٹائٹل پر عظیم ہستی کی تصویر بہت ہی خوب صورتی سے لگائی گئی تھی۔ اس کے علاوہ ماہ ذی الحجہ کے اہم واقعات واقعی بہت ہی معلوماتی تھے۔ حلقۂ دوستی کو بند نہ کیا جائے۔ حکیم صاحب کا جاگو جگاؤ بھی بہت پسند آیا۔ مشکل الفاظ جس صفحے پر ہوں اُسی صفحے پر لکیر کے بھی نیچے اس کا مطلب لکھ دیں تو بہت آسانی رہے گی۔ (محمد عثمان انصاری، ملتان)

★ ایسا بہترین سرورق تھا کہ دل چاہتا ہے کہ اسے فریم کرلوں۔ آپ ہر ماہ نونہال کے سرورق پر اہم شخصیات کی تصویر شائع کیا کیجیے۔ کہانیاں سب اچھی تھیں۔ دوسرے دوستوں کی طرح میری بھی یہی رائے ہے کہ آپ حلقۂ دوستی بند نہ کریں۔

(فرید احمد سومرو، حیدر آباد)

★ حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ، جناب علی اسد کی کہانی 'چار ڈاکو اور دو بچے'، 'قائداعظم کے نام چھپا خط'، ماہ ذی الحجہ کے اہم واقعات، جناب جمیل عثمان کے خوشی کے آنسو، بہت اچھے تھے۔ (ایم حنیف میمن - بادشاہی چوک بدین، سندھ)

★ سرورق لاکھ بار چوما کہ میرے محسن کی مسکراتی تصویر تھی۔ جاگو جگاؤ پڑھا روح خوش ہوگئی۔ کہانیاں پڑھیں مُوڈ خوش گوار ہوگیا۔ کہانیوں میں لالو اور اس کا شہد، جنگلوں کی سیر، گیل ایک بہادر لڑکی، بہت پسند آئیں۔ سب سے زیادہ متاثر میرے محسن کے نام ایک چھپا خط، نے کیا۔ خ۔م سے التجا ہے کہ وہ کھل کر سامنے آئیں، اُن کے اور میرے خیالات چنداں علاحدہ نہیں ہیں۔ کیا میں گیل ایک بہادر لڑکی کی طرز کی کہانی نونہال کو بھیج دوں کیا شائع ہو جائے گی؟ اور اگر میں ہر ماہ کہانی روانہ کردوں تو۔ (سید محمد تسنیم عباس، لالہ موسیٰ)

کہانی دیکھ کر بتائیں گے۔ مُدیر

★ ٹائٹل دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ واقعی آپ نے سالِ قائدِ اعظم کی کسر ایک ہی شمارے میں نکال لی۔ اس دفعہ قائداعظم کے بارے میں جتنے مضامین اور نظمیں پڑھیں، وہ سب اچھی تھیں۔ نونہال مصوّروں نے بھی کمال دیا۔ میرا خیال ہے کہ حلقۂ دوستی کو بند کر دینا چاہیے۔ آخر میں میں حکیم محمد سعید کو اُن کی ۵۷ ویں سال گرہ پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ (عبدالحمید شہزاد، کراچی)

★ ہمارا حسین و جمیل 'ہمدرد نونہال' ہر ماہ ادبی، سائنسی، سبق آموز، دل چسپ کہانیاں اور مضامین، عجیب و غریب معلومات، کارٹون، رنگ برنگی پھلجھڑیاں اور دوسری چیزیں اپنی گود میں سمیٹے رونق افروز ہو کر جب ہم تک پہنچتا ہے تو ہماری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا۔ اس کا ہر کالم، ہمیں اپنی جان سے عزیز ہے، لیکن اس میں "سوال و جواب" کے کالم کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔

(عرفان احمد، دائرہ دین پناہ، مظفر گڑھ)

★ سرورق پر قائداعظم کی تصویر نظر آئی جس کا کوئی جواب نہیں۔ جاگو جگاؤ میں حکیم محمد سعید صاحب نے نصیحتوں کے ذریعے دل منوّر کردیا۔ اس کے علاوہ کہانیوں میں لالو اور اس کا شہد، خوشی کے آنسو، گیل ایک بہادر لڑکی اور چار ڈاکو اور دو بچے پسند آئیں۔ نظموں میں 'قائداعظم' سب سے زیادہ پسند آئی۔ رنگ برنگی پھلجھڑیاں بھی پسند آئیں۔ نونہال مصوّر نے قائداعظم کی تصویروں میں اچھا آرٹ پیش کیا۔ (نسیم اختر، محمد انیس، نور محمد، عبدالحمید، محمد امین، محمد صدیق، عبدالقادر)

★ (انگریزی نوازوں سے معذرت کے ساتھ)

"قائدِاعظم نمبر" دسمبر کا رسالہ ہمدرد نونہال دیکھ کر دل خوشی سے گارڈن اینڈ گارڈن ہوگیا۔ رسالے کا ٹائیٹل قائدِاعظم کی گریٹ تصویر کی وجہ سے کافی بیوٹی فُل لگ رہا تھا۔ تمام کہانیاں گڈ تھیں' خاص طور پر قائدِ اعظم سے متعلق تمام مضمون بہت ہی اِنٹرسٹنگ تھے۔ لطیفے بھی بیڈ نہیں تھے۔ نونہال آرٹسٹ، نونہال رائٹرز اور انسائیکلوپیڈیا قابلِ تعریف تھے۔ اس دفعہ جنرل نالج میں قائدِ اعظم کے متعلق کوئسچن بھی اچھے رہے۔ آیٹ لاسٹ میں یہ کہوں گا کہ 'نونہال' پاکستان کا بیسٹ رسالہ ہے۔

(فرام: انور محمود انصاری، کورنگی)

★ دسمبر ۱۹۷۶ء کا چمکتا دمکتا نونہال اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ بہت دیر سے ملا۔ (۱) آپ رسالہ دیر سے کیوں شائع کرتے ہیں۔ (۲) میں ایک نظم 'حمد باری تعالیٰ' بھیج رہا ہوں۔ کیا شائع ہو سکتی ہے؟ قائدِاعظم کے بارے میں بہت سی معلومات ملیں۔ (۳) کیا قائدِاعظم کے متعلق مضامین کو جاری رکھیں گے؟ (۴) کیا نونہال کے چند صفحات میرزا ادیب صاحب، علی ناصر زیدی صاحب اور علی اسد صاحب وغیرہ کے لیے مخصوص ہیں؟ (۵) کیا آپ معلوماتِ عامّہ کے سوالات کو آسان کر سکتے ہیں؟ (۶) کیا آپ سالنامہ شائع کرتے ہیں اور اس سال کیا شائع کریں گے؟

(عامر داؤد یونس جالندھری، ملتان)

اتنے بہت سے سوالات؟ بزمِ نونہال کے خطوط کے انتظار میں دیر ہو جاتی ہے (۲) ایسے تمام نونہالوں کے لیے ایک ہی جواب ہے۔ ہر اچھی چیز ترتیب سے شائع ہو سکتی ہے (۳) کبھی کبھی۔ (۴) ہمدرد نونہال کے صفحات ہر اچھے لکھنے والے کے لیے مخصوص ہیں۔ (۵) زیادہ آسان نہیں بننا چاہیے۔ (۶) کوشش کریں گے کہ اس سال خاص نمبر شائع کریں۔

(مدیر)

★ اِس مرتبہ بھی تقریباً ساری تحریریں دل چسپ اور پُرکشش تھیں۔ یہ بھی خوش کُن بات ہے کہ اب آپ نے رسالے میں ایسی حقیقی اور جدید کہانیوں کا اضافہ کر دیا ہے جو آج کل کی عام زندگی سے سو فی صد مطابقت رکھتی ہیں۔ اس ماہ اسلامی تواریخ کے واقعات مکمل ہونے پر میں شاہ حمید عطا کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے بڑی خوش اسلوبی سے یہ واقعات مرتب کیے۔

(محمد اقبال غوری، نواب شاہ)

★ سرورق پر ہمارے عظیم رہنما کی تصویر اس کتاب کو نکھار رہی تھی۔ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ ہمارے لیے سبق آموز تھا۔ اِس کے علاوہ لالو اور اس کا شہد، چار ڈاکو اور دو بچے اور گیل ایک بہادر لڑکی، بڑی مزے دار کہانیاں تھیں۔

(طاہر محمود طیم لوہار بانڈہ، مانسہرہ، ہزارہ)

★ اِس دفعہ کا نونہال بہت اچھا تھا۔ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ بہت خوب صُورت تھا لالو اور اُس کا شہد، چار ڈاکو اور دو بچے۔ خوشی کے آنسو، گیل ایک بہادر لڑکی بہت پسند آئے۔ قائدِ اعظم نظم پسند آئی۔ ایسا اچھا رسالہ نکالنے پر اپنی طرف سے جناب حکیم محمد سعید اور مسعود احمد برکاتی کو مبارک باد دیتا ہوں۔

(عبدالرحیم، ڈگری)

اُن نونہالوں کے نام جن کے خط جگہ کی کمی سے شائع نہ ہو سکے:

آفتاب احمد، راولپنڈی۔ محمد ادریس احمد، رحیم یار خاں۔ فرزانہ تبسم ملک، حیدرآباد۔ کراچی سے، محمد یوسف۔ راشد حسین۔ آفتاب حسین۔ شاہد علی شاہنواز۔ نعیم اختر اور نائلہ یاسمین۔ خورشید انور۔ محمد اسرار اللہ خاں۔ کہکشاں عروج۔ شمیم احمد صدیقی۔ کشور سلطانہ۔ علی رضا خاں۔ محمد الناصر ادیب، فرزانہ عزیز۔ حیدر رضا خاں۔ سید سلیمان علی رضوی۔ اِم سلمیٰ+

نونہال ادیب

حمد

شاہد قریشی، حیدرآباد

یا الٰہی ہے تو مالکِ دوجہاں
تو ہی آقا و مختارِ کون و مکاں

تیرے جن و بشر، تیرے لوح و قلم
تیری مخلوق سب، کیا عرب کیا عجم

یہ زمین و قمر آفتاب و نجوم
تیری قدرت کے جلووں کا اتنا ہجوم

کس زباں سے ہو تعریف تیری بیاں
ہے ہر اک چیز سے تیری قدرت عیاں

نئے سال کا پیغام

عبدالحفیظ ظفر، لاہور

آیا ہوں میں جہاں میں سب کو سلام میرا
اس مرحلے پہ آ کے سُن لو پیام میرا

ہمت سے مشکلوں کی، سر ہر چٹان کرنا
سینہ سمندروں کا بھی چیر کر گزرنا

نفرت کی آگ کو اب دوستو. بجھا دو
ہر اک قدم پہ اُلفت کے دیپ تم جلا دو

رچ جائیں گیت چاہت کے ہر طرف فضا میں
جھنکار پیار کی ہو ہر شخص کی صدا میں

اپنے حسیں وطن کی اُلفت کا دم بھرو تم
سب مل کے ساتھیو یہ وعدہ بھی اب کرو تم

عظمت مزید دو گے محنت سے تم وطن کو
اِس سال اور رونق بخشو گے اس چمن کو

حضرت امام حسینؓ

ساجدہ جبین وارثی، جھڈو

حضرت امام حسینؓ حضرت علیؓ کے صاحب زادے اور آں حضرتؐ کے پیارے نواسے تھے آپ کی والدہ حضرت فاطمہؓ آں حضرتؐ کی پیاری بیٹی تھیں۔ آپ ۴ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ــ رسول اللہؐ نے آپ کے کان میں اذان دی اور آپ کا نام رکھا۔ آپ کے بڑے بھائی حضرت امام حسنؓ تھے۔

حضرت علیؓ جو تھے خلیفہ منتخب ہوئے تو معاویہؓ نے شام میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اس پر کئی جنگیں ہوئیں۔ اسی عرصے میں حضرت علیؓ بھی شہید ہو گئے آپ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؓ خلیفہ بنے، لیکن جلد ہی خلافت سے الگ ہو گئے۔ امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد ان کا بیٹا یزید خلیفہ بنا دیا گیا۔ اس نے تمام مسلمانوں سے بیعت لینی شروع کی۔ پھر اُس نے امام حسینؓ سے کہلوایا کہ آپ بیعت کریں، لیکن آپ یزید کی بیعت کرنے کو تیار نہ ہوئے اور اپنے بیوی بچوں کو لے کر مکّے چلے گئے۔ کوفے کے لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ آپ یزید کی حکومت کو تسلیم نہیں کر رہے ہیں تو آپ کو پیغام بھجوایا کہ آپ کوفہ آجائیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں۔ چناں چہ آپ مدینے سے کوفے کی جانب روانہ ہوئے۔ یزید کو جب یہ خبر ملی تو اُس نے کوفے کے حاکم کو بدل کر اس کی جگہ ابنِ زیاد کو حاکم مقرر کر دیا۔ ابنِ زیاد بہت سخت گیر اور ظالم تھا۔ اس نے لوگوں کو آپ کے خلاف بہکایا اور حضرت امام حسینؓ کا ساتھ دینے والوں کو سولی پر لٹکوا دینے کی دھمکی دی۔ سزا کے خو کثرت نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ حضرت اما ہی میں کوفے کے لوگوں کی وعدہ خلافی کا حال معر ہو گیا چناں چہ آپ نے لوگوں سے کہا کہ جو میرے ساتھ جانا چاہتے ہیں چلیں، جو واپس جانا چاہتے ہیں چلے جائیں، لیکن اس کے باوجود کوئی ساتھی آپ تنہا چھوڑنا نہیں چاہتا تھا، چناں چہ سب آپ کے ساتھ رہے۔ آپ کے ساتھ ۷۲ (بہتّر) مسلمان تھے جن میں بچّے، عورتیں اور مرد شامل تھے۔

محرم کی ۲ تاریخ کو امام حسینؓ کا قافلہ دریائے فرات کے کنارے کربلا کے میدان میں ٹھہرا، جہاں یزید کی فوج نے اس چھوٹی سی جماعت کا راستہ روک لیا اور حضرت امام حسینؓ پر زور دیا کہ یزید کی بیعت کرلیں، مگر آپ نے انکار کر دیا۔ اس پر یزید نے آپ پر پانی بند کروا دیا۔ گرمی سخت تھی، بچّے پیاس سے رو رہے تھے، لیکن ظالموں کو رحم نہ آیا۔ آخر محرم کی دس تاریخ کو یزید کی فوج اور حضرت امام حسینؓ کے ساتھیوں میں خون ریز جنگ ہوئی۔ آپ کے سب ساتھی جو تین دن سے بھوکے پیاسے تھے۔ بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ امام حسینؓ اپنے چھ ماہ کے بیٹے

علی اصغر کو پانی پلانے دریا پر لے گئے تو ظالموں نے علی اصغر کو تیر مار کر ہلاک کر دیا۔ پھر ظالموں نے امام حسینؓ پر تیروں کی بوچھار کر دی اور آپ کو بھی شہید کر دیا۔ زخمی ہونے کے وقت آپ گھوڑے پر سوار تھے۔

نماز کا وقت تھا۔ آپ زخمی حالت میں ہی سجدے میں گر پڑے۔ کافروں نے آپ کا سر تن سے جدا کر دیا پھر انھوں نے خیموں کو لوٹا اور عورتوں اور مردوں کو گرفتار کر کے یزید کے پاس بھیج دیا۔ شہادت کا یہ واقعہ تاریخ اسلام میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس دردناک واقعے کی دُنیا میں مثال نہیں ملتی۔ حضرت امام حسین نے خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کر کے مسلمانوں کو یہ سبق دیا ہے کہ دین کے لیے جان کی بازی لگا دیں، لیکن ظالم کے آگے سر نہ جھکائیں۔

ہر سال دُنیا بھر کے مسلمان محرم کے مہینے میں آپ کی فاتحہ دلاتے ہیں۔ آپ کی یاد میں شربت اور پانی کی سبیلیں لگاتے ہیں۔

گڑیا

حمیرا رزاق روزی، کراچی

سوجا سوجا پیاری گڑیا
ننھی گڑیا، اچھی گڑیا
ننھی سی بیلا کی گڑیا
سوجا سوجا پیاری گڑیا

آجا آجا لوری سُن لے
سوجا سوجا لوری سُن کے
سوجا راج دُلاری گڑیا
سوجا سوجا پیاری گڑیا
آ باہوں میں تجھ کو چھپالوں
میٹھی نندیا تجھ کو سلادوں
آجا آجا ننھی گڑیا
سوجا سوجا پیاری گڑیا
بچّو اتنا غُل نہ مچاؤ
نیند میں ہے گڑیا نہ جگاؤ
چاند میری ننھی سی گڑیا
سوجا سوجا پیاری گڑیا

پروفیسر جابر

جُنید احمد زبیری کراچی

پروفیسر جابر ایک مقامی کالج میں ریاضی کے پروفیسر تھے۔ وہ اکثر اپنے خیالوں میں ڈوبے رہتے اور کلاس کی جانب کم توجّہ دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب وہ چار ضرب چھے کا مشکل سوال حل کرنے میں مصروف تھے اور ہر بار ان کا جواب ۱۰ آرہا تھا، کیوں کہ وہ انھیں ضرب دینے کے بجائے ہمیشہ جمع کر دیتے تھے۔ تو ایک لڑکا دبے پاؤں چلتا ہوا ان کے پاس آیا اور زور سے بولا، "سر، آپ کا پیریڈ ختم ہو رہا ہے صرف ۱۰×۲

منٹ باقی ہیں۔"

"اچھا۔ تم چلو، میں ابھی ۵×۲ سیکنڈ میں آتا ہوں۔"
انھوں نے بھی ریاضی کی زبان میں جواب دیا۔

پروفیسر جابر کلاس روم میں داخل ہوئے تو انھیں دیکھتے ہی ساری کلاس احتراماً کھڑی ہوگئی۔ وہ گھبرا کے چیخے، "ارے نالائقو! کھڑے کیوں ہو گئے سب کے سب چلو بیٹھ جاؤ۔"

لڑکے ہنستے ہوئے بیٹھ گئے۔

یکایک پروفیسر صاحب چونک کر بولے، "ارے امتیاز۔ میں... اچھا، قلم تو گھر بھول آیا، جاؤ ذرا دوڑ کر قلم میرے گھر سے لے آؤ۔ مجھے اس کی ضرورت پڑی ہوتی ہے۔"

"سر! میں کس طرح جاؤں، مجھے تو آپ کا گھر معلوم ہی نہیں۔"

"اچھا ٹھہرو۔" یہ کہہ کر پروفیسر جابر نے بائیں جیب سے قلم نکالا اور پتا لکھ کر دیتے ہوئے بولے، "ذرا جلدی آنا، مجھے قلم فوراً چاہیے۔"

ہم بچّے پاکستانی ہیں

محمّد اسلام ضیا، پنڈی گھیب کیمبل پور

ہم سب پاکستانی ہیں

مذہب اپنا ہے اسلام
رہبر اپنا ہے قرآن
سندھی، بلوچی اور پٹھان
گر ہو جائیں سب یک جان
پھر ہم سب لافانی ہیں
ہم سب پاکستانی ہیں

علم سے اونچا ہوگا نام
ملک کی خاطر ہوں گے کام
رسم خدمت ہوگی عام
سچ ہوگا اپنا پیغام
ہم سب پاکستانی ہیں

علم کی شمع کریں گے روشن
دور رہیں گے ہم سے رہزن
ملک پہ واری جان اور تن
مہکائیں گے سارا گلشن
ہم سب پاکستانی ہیں

بائیسکل کی آپ بیتی

میاں طارق عبّاس، شیخوپورہ

میری آواز سُن کر آپ ضرور حیران ہوں گے، کیوں کہ نونہالوں کی اس بزم میں میں اجنبی ہوں۔ یہ بتانے سے پہلے کہ میں کون ہوں، میں ان لوگوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جنھوں نے مجھے اس محفل میں شرکت کی اجازت دی ہے۔

میں آپ کی وہی ننھی مُنّی دُبلی پتلی اور نازک سی سواری ہوں جسے آپ سائیکل کہتے ہیں۔ چوں کہ آپ کا وقت بہت قیمتی ہے، اس لیے میں آپ کا زیادہ وقت نہ لوں گی۔ سفر کی سواری کے رشتے سے ہم کتنی ہی بہنیں اور بھائی

ہیں۔ ان کے نام کتنے ہیں؟ یہ بتانے میں آپ کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ بس اتنا کہنا کافی ہے کہ میں اپنی تمام بہنوں اور بھائیوں سے چھوٹی ہوں۔

اب آپ میری سنیئے۔ میرے دشمنوں کا کہنا ہے کہ میں ایک ڈاکو کی ایجاد ہوں، کیوں کہ وہ مجھے بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ آپ مہربانی کر کے ان کی باتوں میں نہ آئیے گا۔ آپ کو یاد رکھنا ہوگا کہ مجھے سب سے پہلے عوام کے سامنے چلانے والا شخص ایک فرانسیسی تھا اس کا نام میگوری تھا۔ اس نے مجھے آج سے تقریباً ۲۰۰ برس پہلے ایجاد کیا۔ اس وقت بھی میری شکل و صورت آج کی شکل و صورت سے ملتی جلتی تھی۔ میگوری میری پیٹھ پر (جسے آپ گدّی کہتے ہیں) بیٹھ کر میرے اگلے پہیے کو گھماتا تھا۔ کچھ دنوں بعد ڈریزن نامی ایک اور فرانسیسی نے میرے اگلے پہیّے کو گھمانے کے لیے ایک چکّر سے کام لیا۔ اس چکّر کے استعمال سے میرا اگلا پہیّہ دائیں بائیں گھومنے لگا۔ ڈریزن سے پہلے کسی شخص نے میرے اگلے پہیّے کو گھمانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

شروع میں میرے دونوں پہیے برابر ہوتے تھے مگر کچھ عرصے بعد میرا اگلا پہیّہ بڑا اور پچھلا پہیّہ چھوٹا بنایا جانے لگا، کیوں کہ مجھے تیز تر کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ کچھ عرصے بعد بیری نامی ایک اور فرانسیسی نے سب سے پہلے مجھ میں پیڈل لگائے، لیکن اب بھی میں تیز نہ ہو سکی، کیوں کہ ابھی میرے پہیے لکڑی کے تھے۔ جن پر لوہے کے ہال چڑھائے جاتے تھے۔ ربڑ کی خوبیاں ظاہر ہو جانے کے بعد لوہے کے ہال کی جگہ ربر کے ٹائر لگائے گئے بس پھر کیا تھا۔ میری تجارت میں انقلاب آگیا۔ بعد میں میرے پہیے پھر سائز میں برابر کر دیے گئے۔

آج کل میری تجارت دن بدن بڑھ رہی ہے۔ اب دُنیا کے تقریباً تمام ملکوں میں میرے بنانے والے کارخانے موجود ہیں۔ میں اپنی بہن موٹر کی طرح نہ تشدد پسند ہوں اور نہ خرچ طلب۔ میں ایک سستی اور پُرسکون سواری ہوں۔ میں امیر و غریب دونوں کو برابر آرام پہنچاتی ہوں۔ یہ جان کر مجھے بہت خوشی ہے کہ میں آج انسان کی ضروریاتِ زندگی میں شامل ہوں۔

دودھ بانٹنے والے، خط پہنچانے والے، اخبار بیچنے والے سب میری وجہ سے اپنا کام آسانی اور تیزی سے کر لیتے ہیں۔ آپ بھی میری مدد سے بہت سے کام کر سکتے ہیں۔ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مجھے استعمال کرنے والوں کی صحت اچھی رہتی ہے، کیوں کہ مجھے چلانا ایک اچھی ورزش ہے۔

آگیا میرا شیر آگیا

مشتاق احمد خان۔ کراچی

اتوار کا دن تھا، بھائی جان اور ابو کی بھی چھٹی تھی اور موسم بھی خوش گوار تھا۔ ہم نے سوچا کیوں نہ آج کہیں سیر و تفریح کو چلا جائے، لہٰذا ہم سب بہن بھائیوں نے آپس میں مشورہ کر کے جگہ کا انتخاب کیا۔ پھر ہم اپنے بھائی جان کے کمرے میں گئے اور کہا کہ "بھائی جان! آج ہمارا موڈ

چڑیا گھر جانے کا ہو رہا ہے، کیا آپ ہم کو لے چلیں گے؟
بھائی جان نے جواب دیا "کیوں نہیں، کیوں نہیں، ضرور، ضرور۔ چلیں، آپ لوگ جلدی سے تیار ہو جائیں"۔
جب ہم نے بھائی جان کو رضا مند پایا تو ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ہماری امّی جان نے جلدی جلدی ہمارے لیے مختلف اقسام کے اچھے اچھے کھانے پکائے۔ اتنی دیر میں ہم سب تیار ہو گئے۔ بھائی جان ٹیکسی لے آئے ہم سب ٹیکسی میں بیٹھ کر چڑیا گھر پہنچ گئے۔ دربان سے ٹکٹ لیے اور اندر داخل ہو گئے۔ چڑیا گھر کے اندر داخل ہو کر ہم نے مختلف پنجروں میں طوطا، مینا، سانپ، مگرمچھ، ہرن، بارہ سنگھا، ہاتھی، بندر اور شیر وغیرہ دیکھے۔ ابھی ہم شیر کے پنجرے سے چند گز کے فاصلے پر گئے ہوں گے کہ لوگوں کی چیخ پکار کی آواز سنائی دی ایک افراتفری کا عالم تھا۔ لوگ چیخ رہے تھے، "شیر آیا بھاگو، شیر آیا بھاگو"۔ بس شیر کا نام جو سُنا تو ہمارے پاؤں تلے زمین نکل گئی۔ اوسان خطا ہو گئے۔ سب اِدھر اُدھر بھاگے۔ جس کو جہاں جگہ مل رہی تھی وہ وہاں چھپ رہا تھا۔ کچھ لوگ درختوں پر چڑھ گئے، کچھ ہوٹل وغیرہ اور دیگر محفوظ مقامات پر پہنچ گئے۔ کافی دیر کی جدوجہد کے بعد چڑیا گھر کے رکھوالوں نے شیر کو قابو میں کیا تو لوگوں کی جان میں جان آئی اور اب لوگ محفوظ مقامات سے نکل کر گھر کی طرف روانہ ہونے شروع ہو گئے۔ ہم بھی اپنے گھر جانے کے لیے اکٹھے ہوئے تو دیکھا کہ پپّو کا کہیں پتا نہیں تھا۔ اب تو سب گھر والے پریشان ہو گئے۔ گیٹ پر جا کر چوکی دار سے پوچھا مگر مایوسی ہوئی۔ دل میں بُرے بُرے خیالات آرہے تھے۔ پتا نہیں پپّو کا کیا ہوا، کہیں شیر نے حملہ تو نہیں کر دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ امی جان الگ چیخ پکار کر رہی تھیں۔ ابو ہم سب بہن بھائیوں اور امی جان کو دلاسا دے رہے تھے۔ اس اثنا میں ہم نے دیکھا کہ چڑیا گھر کے لوگ شیر کو زنجیروں سے جکڑ کر اس کے پنجرے کی طرف لے جا رہے ہیں۔ جیسے ہی لوگ شیر کے پنجرے کی طرف بڑھے، پپو صاحب نے اندر سے آواز لگائی کہ پہلے مجھے باہر آنے دیجیے۔ اُس کے بعد شیر کو اندر داخل کیجیے گا۔ بس جیسے ہی پپّو کی آواز کانوں میں سُنائی دی، بھائی جان لپک کر پپّو کو پنجرے سے باہر نکال لائے اور ہم سب لوگوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔
امّی جان نے کہا "آ گیا، میرا شیر آ گیا" اور لپک کر سینے سے لگا لیا۔ سب لوگ بچّے کی ذہانت کی داد دے رہے تھے۔ دیکھا آپ نے پپّو کہاں سے ملا؟ شیر کے پنجرے سے۔

عِلم

چودھری شہباز احمد راہی، ڈگری

ننھے مُنّے بچّو آؤ
میری باتیں سن کر جاؤ
اچھی صحبت میں رہنا تم
گندی صحبت سے بچنا تم

پھرتے ہیں جو لڑکے آوارہ
ان سے ابھی تم کرو کنارا
اپنا وقت یونہی نہ گنواؤ
محنت کرکے پڑھ لکھ جاؤ
جس کے پاس ہے علم کی دولت
سب کرتے ہیں اُس کی عزّت
بننا تم ہرگز مت کاہل
ورنہ رہ جاؤ گے جاہل
بچو راہیؔ کا کہنا مانو
علم کی دولت کو تم جانو

میرزا ادیب

حافظ مظفر محسن، لاہور

میرزا ادیب ایک بہت بڑے اور مشہور ادیب ہیں۔ آپ ۱۹۱۴ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اسلامیہ ہائی اسکول بھاٹی گیٹ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ پھر آپ نے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ سے بی اے آنرز کیا۔ آپ کئی رسالوں کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ آپ نے آل انڈیا ریڈیو اور ہفت روزہ "مصوّر" کے لیے بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ آپ نے شاعری سے لکھنا شروع کیا اور بہت سی نظمیں اور غزلیں لکھیں جو زمین دار اور سیاست جیسے کام یاب اخباروں میں شائع ہوتی رہی ہیں۔

آپ کا اصل نام دلاور حسین ہے۔ آپ نے بہت سے افسانے بھی لکھے ہیں۔ جن میں "صحرا نورد کے خطوط" کو بہت زیادہ مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی ہے۔ آپ کی کئی کتابیں بھی چھپ چکی ہیں۔ آج کل آپ لاہور میں رہتے ہیں اور کئی بڑے بڑے رسالوں میں لکھتے بھی ہیں۔ آپ نے بچّوں کے لیے بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ نوائے وقت میں "اذکار و افکار" کے عنوان سے مضامین لکھتے ہیں۔ ہمدرد نونہال کے علاوہ بچّوں کے کئی دوسرے رسالوں میں بھی آپ کی چیزیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔

چوزہ

آفتاب احمد علی، کراچی

بھیّا جب بازار سے آئے
فارم کے وہ انڈے لائے
مُنّا دوڑا دوڑا آیا
انڈوں پر مُرغی کو بٹھایا
بائیس دن کے بعد جو دیکھا
ایک انڈے سے چوزا نکلا
شام کو پھر جب دیکھا جاکر
بچّے تھے انڈوں سے باہر
چوں چوں چوں چوں بول رہا تھا
ہر چوزہ پَر تول رہا تھا
یہ سب چوزوں میں اچھا ہے
نام اس کا "مٹلو" رکھا ہے

کھیلیں کودیں جی بہلائیں
جوں جوں، چوں چوں گیت سنائیں

میانوالی

امیر سیف اللہ سیف، میانوالی

ضلع میانوالی صوبہ پنجاب کے اندر سرگودھا کمشنری میں واقع ہے۔ میاں والی کا نام ایک فقیر "بابا میاں علی شاہ" کے نام پر ہے جنھوں نے شہر میاں والی کی بستی بسائی تھی۔

ضلع میاں والی کے شمال میں کیمبل پور اور کوہاٹ کے اضلاع ہیں....، جنوب میں مظفر گڑھ، مشرق میں کیمبل پور، سرگودھا اور جھنگ کے اضلاع، مغرب میں بنوں اور ڈیرہ اسماعیل خاں کے اضلاع واقع ہیں۔

ضلع میاں والی میں تین تحصیلیں ہیں۔ (۱) تحصیل میاں والی (۲) تحصیل عیسیٰ خیل (۳) تحصیل بھکر۔ ضلع میں تین پہاڑیاں ہیں:

(۱) کوہِ سکیسر: اس کا کچھ حصہ ضلع سرگودھا میں شامل ہے۔ یہ پہاڑی ضلع میانوالی کے شمال مشرق میں واقع ہے اور بہت سرسبز ہے۔ اس کی ترائی میں ایک جھیل ہے جسے جھیل نمل کہتے ہیں۔ یہ پہاڑی بہت ٹھنڈی ہے۔ سکیسر ایک صحت افزا مقام ہے۔

۲۔ کوہستانِ نمک: یہ ضلع میانوالی میں بالکل شمال میں واقع ہے۔ اس میں کئی کانیں ہیں، جن کا فاصلہ کالاباغ سے صرف ایک میل ہے۔

۳۔ کوہستانی خٹک: یہ پہاڑی علاقہ کوہستانی خٹک کے مغرب میں واقع ہے اور تحصیل عیسیٰ خیل کو ضلع بنوں سے جدا کرتا ہے۔ یہاں پر ایک خاص قسم کی کالی مٹی پائی جاتی ہے۔ اس علاقے میں مکڑوال کے قریب کوئلے کی ایک کان ہے۔ ضلع میاں والی میں گرمیوں کے موسم میں جون اور جولائی کے مہینوں میں سخت گرمی پڑتی ہے۔ نو اور دس بجے سے ہی سخت لو چلنی شروع ہوجاتی۔ دوپہر کو باہر نکلنا بھی مشکل ہوجاتا ہے۔ سردیوں کے موسم میں بھی دسمبر اور جنوری میں سخت سردی پڑتی ہے۔ مجموعی طور پر ضلع کی آب و ہوا گرمیوں میں سخت گرم اور سردیوں میں سخت سرد ہوتی ہے اور بارش نہ ہونے کے برابر ہے۔

ضلع میاں والی کے مشہور مقامات میں میاں والی۔ داؤد خیل، ماڑی انڈس، کالاباغ، عیسیٰ خیل، کندیاں، دریا خان اور بھکر ہیں۔

میاں والی: یہ ضلع اور تحصیل دونوں کا صدر مقام ہے۔ ضلع کے سب سے بڑے دفتر یہیں واقع ہیں۔ شہر کے بازار خوب کھلے ہیں۔ لڑکے اور لڑکیوں کے کئی پرائمری اسکول ہیں۔ لڑکوں کے لیے کئی ہائی اسکول ہیں۔ اور لڑکے اور لڑکیوں کے لیے ایک ایک ڈگری کالج بھی ہے۔ ضلع کچہری کے قریب جنوب کی طرف سول ہسپتال کی قابل دید عمارت ہے۔ شہر سے قریباً ایک میل کے فاصلے پر ہوائی جہازوں کے لیے ایک وسیع اور شاندار ہوائی اڈہ بنایا گیا ہے جس کو مزید وسعت دی جارہی ہے۔ کئی نئے گیراج

اور ایک نیا وسیع رَن وے زیر تعمیر ہے۔

داؤد خیل: شہر میاں والی کے شمال میں واقع ہے اور ایک ریلوے لائن کے ذریعے میانوالی شہر سے ملا ہوا ہے۔ داؤد خیل ریلوں کا جنکشن ہے۔ یہاں سے بنوں کو ریل جاتی ہے۔ داؤد خیل کے قریب ہی جناح بیراج واقع ہے۔ اس میں سے ایک نہر "تھل پراجیکٹ" نکالی گئی ہے۔ داؤد خیل میں سمنٹ، کھاد، رنگ اور رینی سلین کے بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ داؤد خیل میں ڈسٹرکٹ کونسل کا ایک ہائی اسکول بھی ہے۔

ماڑی انڈس: داؤد خیل سے اگلا اسٹیشن ماڑی انڈس ہے۔ یہ دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر واقع ہے۔ یہاں پر لوہے اور نمک کے برتن بنائے جاتے ہیں۔ ماڑی شہر سے ایک میل کے فاصلے پر نمک کی کان ہے۔

عیسیٰ خیل: شہر عیسیٰ خیل تحصیل کا صدر مقام ہے۔ یہاں پر لڑکے اور لڑکیوں کے لیے ہائی اسکول ہیں، عیسیٰ خیل میں بنائے جانے والی گوندر کی چٹائیاں، چینی کے برتن اور مٹی کے گھڑے بہت مشہور ہیں۔

کُندیاں: کندیاں ریلوں کا جنکشن ہے۔ یہاں سے خوشاب، میاں والی، مظفر گڑھ اور سرگودھا کو ریلوے لائن جاتی ہے۔ یہاں کے بنے ہوئے کھیس اور پنکھے بہت مشہور ہیں۔ کندیاں میں ایک ہائی اسکول ہے۔ کندیاں سے دو میل جنوب کی طرف دریائے سندھ کے کنارے ایک بڑی بستی تعمیر ہو چکی ہے۔ چشمہ بیراج یہیں پر ہے۔

دریا خان: دریا خان میں کھانڈ اور گتے بنانے کے بہت بڑے کارخانے ہیں۔

بھکر: یہ تحصیل بھکر کا صدر مقام ہے۔ یہ آم، تربوز اور کھجور کی مشہور منڈی ہے۔ یہاں پر کرنا کے پھولوں کا نہایت اعلیٰ تیل نکالا جاتا ہے۔ کپڑے کا ایک بہت بڑا کارخانہ ہے جو کالونی تھل ٹیکسٹائل مل کہلاتا ہے۔ یہاں پر ایک ہائی اسکول ایک کالج اور برف بنانے کا ایک بہت بڑا کارخانہ ہے جہاں گرمیوں میں ہزاروں من برف تیار ہوتی ہے

ڈاک کے ٹکٹ جمع کیجیے

نورالسلام صدیقی، کراچی

آپ بازار سے کوئی چیز خرید کر لاتے ہیں اور اگر اس میں خرابی ہوتی ہے تو آپ اسے واپس کر آتے ہیں، لیکن اگر آپ ڈاک کا ٹکٹ خریدیں اور اس میں کوئی نقص ہو تو آپ اسے سنبھال کر رکھیں۔ ایسے ٹکٹ جن میں کوئی خرابی ہو (مثلاً دندانے نہ ہوں، چھپائی کی غلطی ہو) بہت قیمتی ہوتے ہیں اور ہزاروں رُپوں میں بکتے ہیں۔

بیس یا پچیس سال ہوئے انگلستان میں دو پنی ([illegible]) (پچاس پیسے) کا ٹکٹ جس میں دندانے نہ تھے۔ چھ ہزار پونڈ یعنی ایک لاکھ پچاس ہزار روپے میں بکا تھا۔

ڈاک کے ٹکٹ جمع کرنا اچھا مشغلہ ہے۔ اس سے مختلف ممالک کے متعلق معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں۔ اور چھپائی کی ذرا سی غلطی سے مالی فائدہ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بعض ٹکٹوں کا دُنیا میں آدھا نمونہ ہی رہ گیا ہے۔ ان میں ایک قیمتی ٹکٹ انگلستان کا ہے جس کی قیمت ایک سینٹ (۱۰ پیسے) ہے۔ یہ ٹکٹ ۱۹۴۰ء ۱۲٫۰۰۰ پونڈ یعنی تین لاکھ رُپے میں فروخت ہوا تھا اور اب اس کے مالک نے اس کا ۳۵٫۰۰۰ پونڈ کا بیمہ کروایا ہے۔ ڈاک کے ٹکٹوں کا سب سے اچھا ذخیرہ برطانیہ کی ملکہ الزبتھ کے پاس ہے اور اس کی قیمت دس لاکھ پونڈ یعنی دو کروڑ پچاس لاکھ رُپے سے بھی زیادہ ہے۔

آنجہانی چو این لائی

عصمت شریف، لاہور

اتنا عظیم ہو جا منزل تجھے پکارے

مسٹر چو این لائی نہ صرف بیسویں صدی کے ایک مدبّر سیاست داں ہیں، بلکہ ماؤزے تنگ کے بعد اپنی قوم کے ایک باشعور اور عظیم رہنما بھی تھے۔ چو این لائی کا شمار دنیا کی ان عظیم ہستیوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی زندگی گنوا کر اپنی قوموں کو جینا سکھایا اور ان کی تقدیر بدل کر ترقی یافتہ قوموں کی صف میں لا کھڑا کیا اور ایک ایسی تاریخ کو جنم دیا جو محکوم قوموں کے لیے ایک زندہ مثال ہے۔ وہ پاکستان کے ایک عظیم دوست اور رفیق تھے۔

مسٹر چو این لائی کی زندگی تین ادوار میں تقسیم ہے۔ سب سے پہلے دور میں چینی انقلاب گنا جاتا ہے۔ یہ زمانہ ۱۹۴۹ء سے پہلے کا ہے۔ ان کی زندگی کی ابتدائی تربیت ان کے چچا نے کی اور صرف ۲۱ سال کی عمر میں طلبہ کے ساتھ مظاہروں میں حصّہ لینے لگے اور ۴ جولائی ۱۹۱۹ء میں ایک مشہور تحریک میں گرفتار ہوتے اور پھر جب رہائی ملی تو فرانس تشریف لے گئے اور وہاں کی کمیونسٹ پارٹی میں شریک ہوگئے اور جدّوجہد کرتے رہے اور پھر وہاں سے واپس آکر ڈاکٹر سُن کی تحریک میں شامل ہوگئے۔ وہاں انھوں نے بہت جاں نشانی کا ثبوت دیا، چناں چہ انھیں ماسکو میں خطاب کرنے کی دعوت دی گئی۔

دوسرا دور چینی آزادی کے بعد کا ہے۔ اس میں ان کو قومی کمیٹی کا ممبر اور عوامی مرکزی کمیٹی کا رکن چن لیا گیا اور جب عوامی جمہوریہ چین ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے دُنیا میں نقشے پر اُبھرا تو اُن کو وزیرِ اعظم منتخب کیا گیا۔ اسی دور میں مسٹر چو این لائی کا سب سے بڑا کارنامہ قوموں کی خودداری حقوق کے متعلق پانچ اصولوں کی منظوری تھا۔ وہ پانچ اصول ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) جارحیت، فوجی دباؤ اور دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت سے احتراز کیا جائے۔

(۲) تمام قوموں اور نسلوں کی برابری کو تسلیم کیا جائے۔

(۳) قوموں کی آزادی، خود مختاری اور علاقائی سالمیت کا احترام کیا جائے۔

(۴) تمام ممالک کے عوام کو اپنی پسند کا طرزِ زندگی اختیار کرنے کا حق ہے۔

(۵) تمام بین الاقوامی تنازعات پُر امن طریقے سے حل کیا جائے۔

مسٹر چو این لائی کی زندگی کا آخری دور ملک کی سیاست اور جد و جہد کا دور تھا۔ اس دور کو ان کی زندگی کا سنہرا دور بھی کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے ملکی سازشوں کو ناکام بنا دیا اور کامیابی سے مشکلات کا مقابلہ کر کے مجرموں کے سرغنہ لن پیاؤ کو گرفتار کرایا۔ اس کارنامے سے ان کی عظمت کو چار چاند لگا دیے۔

پاکستان سے دوستی اور دلی لگاؤ کا اندازہ ان الفاظ سے کر سکتے ہیں کہ جب ویت نام کے چند سو سپاہیوں کے گرفتار ہونے پر مظاہرے ہونے لگے تو انھوں نے کہا کہ ان چند سو سپاہیوں کے متعلق مظاہرے ہو رہے ہیں، مگر پاکستان کے ۹۳ ہزار سپاہیوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ کہ ان کے ساتھ کیسا انسانیت سوز سلوک ہو رہا ہے۔ ان کی باتیں ترقی پذیر ملکوں کے لیے مشعلِ راہ بنی رہیں گی۔

پاکستان کا دوست

محمد تقی خاں میر، کراچی

آں جہانی چو این لائی پاکستان کے ایک عظیم دوست اور سرپرست و ساتھی تھے۔ آں جہانی چو این لائی نے ہر آزمائشی وقت پر کھلے دل سے پاکستان کی امداد کی۔ چو این لائی کو پاکستانی عوام سے سچی محبت تھی۔ اسی وجہ سے چو این لائی کی جُدائی کو پاکستان میں بہت محسوس کیا گیا اور ان کی موت پر سرکاری طور پر دو دن تک سوگ منایا گیا۔ ٹیلی وژن اور ریڈیو سے تعزیتی پروگرام نشر کیے گئے۔ دو دن تک سرکاری پرچم سرنگوں رہا۔

آں جہانی چو این لائی نے کئی مواقع پر پاکستان کے دورے کیے ہیں۔ سب سے پہلے سابق وزیر اعظم حسن شہید سہروردی کی وزارتِ عظمیٰ کے دور میں پاکستان کا دورہ کر کے پاک چین دوستی کو مضبوط کرنے کے لیے زنجیر میں پہلی کڑی ڈالی۔

اس موقع کے بعد پاکستان اور چین میں ہر شعبے کے تعلقات مستحکم تر ہوتے چلے گئے۔ چو این لائی نے اپنا آخری دورہ سابق صدر پاکستان محمد ایوب خان مرحوم کے زمانے میں کیا تھا۔ اس موقع پر انھوں نے کہا تھا: "ہماری دوستی کئی بار آزمائی جا چکی ہے اور اگر آئندہ بھی ہماری دوستی کا امتحان لیا گیا تو ہم اس میں پورے اُتریں گے۔" پاکستان اور چین کی دوستی بنیادی اصولوں پر مبنی ہے۔" انھوں نے کہا:

"پاک چین دوستی دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کرے گی اور سامراجی حلقے ہماری دوستی کو ختم کرنے کے لیے جو بھی کوشش کریں گے اسے ناکام بنا دیا جائے گا۔"

اگرچہ چو این لائی کی وفات سے ایشیا کی ایک شمع بجھ گئی اور وہ آج ہم میں نہیں ہیں، لیکن بیسویں صدی کے اس عظیم مدبر نے جو خدمات انجام دی ہیں اسے کبھی نہیں بھلایا جا سکے گا۔ ان کے کارنامے قوموں کی تاریخ میں اَن مِٹ نقوش ثابت ہوں گے۔

صحت

کھتری محمد یعقوب، ٹنڈوالہیار

زندگی دشمنوں سے گھری ہوئی ہے۔ ہمارے اندر اور باہر ایسی چیزیں موجود ہیں جو ہمیں ذہنی اور جسمانی ہر اعتبار سے تباہ و برباد کر ڈالنے کے در درپے ہیں۔ ظاہر ہے کہ موجودہ زندگی کی حقیقت فنا ہے۔ یہاں زندگی جانے کے لیے آئی ہے، لیکن جو پھول اپنی پوری بہار دکھلانے کے بعد خشک ہو جاتا ہے سمجھو کہ اس نے اپنا مقصد پورا کر لیا، لیکن وہ غنچہ جو بن کھلے مُرجھا گیا اور پوری آب و تاب کے ساتھ نہ کھل سکا وہ نامُراد رہا۔ یہ چیزیں ذہن اور جسم دونوں پر اثر انداز ہوتی ہیں اور صحت انھیں دونوں افعال کی دُرستی کا نام ہے۔

اندازہ لگایا گیا ہے کہ پچاس ایسے حیوانی طفلیات (کیڑے) ہیں جو ہمارے جسم کے اندر پلتے رہتے ہیں۔ یہ ہر وقت جسم کے قلعے کو ڈھاتے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ پندرہ یا اُس سے بھی زیادہ ایسے طفیلی کیڑے ہیں جو باہر سے ہمارے بدن پر حملہ کرتے ہیں۔ اپنی طرف ہماری توجہ مرکوز کرانے کے لیے یہی تعداد کچھ کم نہ تھی۔

سو سے زیادہ نباتی طفلیات اور بھی ہیں جو ہر وقت اندر اور باہر دونوں طرف سے انسانی نظام کو درہم برہم کر ڈالتے ہیں۔ ہماری کشتیٔ حیات ہر وقت اِن غول در غول دُشمنوں کے نرغے میں پھنسی رہتی ہے۔ ہر شخص کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ صحت کے ان جانی دُشمنوں سے محفوظ رہنے کے لیے قدرت نے ہمیں حیرت انگیز دفاعی نظام عطا فرمایا ہے۔ جس میں جسم کے اندر جلد استر کرنے والی جھلّی، جراثیم کو ہلاک کر ڈالنے والا لعابِ دہن اور ..... معدے کا قاتلِ جراثیم تیزاب، نمک اور خون کے سفید دانے جو جراثیم کو نگل جاتے ہیں، شامل ہیں۔

صحت کو برقرار رکھنے کے لیے نہایت ضروری ہے کہ یہ دفاعی نظام نہایت اچھی حالت میں رہے۔ اگر ہماری صحت کے دفاعی محافظ کے ان مورچوں اور حفاظتی انتظامات کی معقول طور پر نگہداشت کی جائے تو بیماری کی ذریات ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔

ہر انسان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس صحتی نظام کو بہترین حالت میں رکھنے کے لیے کون کون سے عوامل کام کرتے ہیں۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جو ہمیں تقریباً بلا قیمت میسر ہیں۔ صرف ایک چیز ہے جو قیمتاً مہیا ہوتی ہے۔ سب سے اہم چیز تازہ ہوا ہے جس پر ہماری زندگی کا مدار ہے۔ تازہ ہوا کا ٹانک قدرت

کی طرف سے بالکل مُفت ہے اس کے باوجود لوگ اس حیات بخش نعمت کی پوری قدر و قیمت نہیں جانتے اور اس سے پورا فائدہ نہیں اٹھاتے۔ وہ گھروں میں نہ تو مناسب ہوا کا انتظام رکھتے ہیں اور نہ انھیں صحیح طریقے پر سانس لینے کا طریقہ معلوم ہے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ ہوا کو کس طرح صاف رکھا جائے۔

دوسری اہم چیز سُورج کی روشنی ہے، پھر تازہ اور صاف پانی جس کو کافی مقدار اور مناسب اوقات میں پینے کے قواعد سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ انھیں میں سے ایک ورزش ہے۔ کاہل انسانوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ ورزش کے بغیر دفاعی مشینری صحیح حالت میں نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح اپنی توانائی کو ضرورت سے زیادہ صرف کرنے والوں کو بھی اپنے جسم کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے۔ اپنے وقت پر کافی آرام بھی ورزش سے کم ضروری نہیں۔ اس کے بعد ذہنی یا نفسیاتی حرکات کی صحت مند حالت ہے اور اس کا دار و مدار خاص طور پر اخلاق و عادات کی درستی پر ہے۔ پرہیز کا انحصار زیادہ تر ذہنی قوت و استحکام پر ہے۔ صحت پر بد پرہیزی کے مضر اثرات سے کون واقف نہیں ہے۔ آخری چیز غذا ہے۔ غذا ضرور ایسی چیز ہے جو مُفت حاصل نہیں ہوتی۔

غذا کے متعلق ایک موٹا سا اصول پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ غذا کو جہاں تک ہو سکے قدرتی حالت میں استعمال کیا جائے اور اس کی تیاری میں کسی کارآمد جُز کو خراب نہ ہونے دیا جائے۔ یاد رکھیے کوئی مصنوعی شے قدرتی شے سے بہترین نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔

ہمارا نونہال

محمّد رفیع، کوٹ فتح خان

جب بھی دیکھی میں نے بزمِ نونہال
مُسکرا کر جھُوم اٹھا میرا خیال
کر تا رہتا ہے یہ طے راہِ کمال
سب سے بڑھ کر مجھ کو پیارا نونہال

کام یابی اور مسّرت

خان زادہ نثار احمد، دولت پور صفن

اگر آپ کام یابی چاہتے ہیں تو اپنی گُفت گو میں، بات چیت میں، حتّیٰ کہ خیال میں بھی کام یابی کو ہی کو مدِّ نظر رکھیے اور نا اُمیدی، یاس، غم، بزدلی اور احساسِ شکست کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیجیے، کیوں کہ یہ انسان کی ہمّت اور حوصلے کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔ کبھی ہمّت نہ ہاریے، بس اپنا کام کرتے جائیے۔ ہر کام اور ہر پیشے میں پہلے پہل مشکلات پیش آتی ہیں، لیکن یاد رکھیے کہ انسان کچھ کھو کر ہی سیکھتا اور حاصل کرتا ہے۔ ہر حال میں پُر اعتماد رہیے۔

ہمیشہ اپنی ذات سے کسی بڑی شے، کسی عظیم کارنامے کی امید رکھیے اور اس کے مطابق زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کیجیے۔

ایسے خیالات دماغ میں مت لائیے گا جو بُرائی کا سبق دیں۔ اگر آپ اپنی ذات پر بھروسا کرتے رہیں تو پھر آپ کی کام یابی یقینی ہے۔ یقین ہی عظیم کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

قرآن کریم میں جگہ جگہ ارشاد ہے کہ صرف یقین ہی تھا جس کے بل پر حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور دیگر بڑے بڑے پیغمبروں نے معجزے دکھائے۔ قرآن میں جا بجا یقین اور عقیدے کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ اپنی ذات پر اعتماد ہمیشہ محیر العقول کاموں کے لیے بنیادی پتھر ثابت ہوا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم میں کوئی خاص قابلیت یا صلاحیت نہیں۔ ہم اسکول یا کالج کے زمانے میں اپنے ہم جماعتوں سے پیچھے رہتے تھے لہٰذا ہمیں اب بھی کام یابی کی امید نہیں ہے۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ کام یاب زندگی کے لیے علمیت اور مکتبی قابلیت معیار نہیں ہے۔ دُنیا میں بعض لوگ ایسے بھی گزرے جنھوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے، لیکن وہ آدمی تعلیم کے معاملے میں کند ذہن تھے۔ اپنی جماعت میں انھوں نے کوئی امتیاز حاصل نہیں کیا۔ یہ یقین ہی ہے جو ہمارے مخفی قوا کے تالے کھول دیتا ہے اور ہمیں اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا موقع بہم پہنچاتا ہے۔ اسی نے دُنیا میں اعجاز کے کرشمے دکھائے ہیں۔۔۔ پختہ یقین کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ٹھیر سکتی۔ تمام بندشوں کو توڑ دیتا ہے اور مصائب کو پیس کر رکھ دیتا ہے۔

ابراہیم لنکن ایک غریب خان دان کا فرد تھا۔ اس نے امریکا کے انتخابات میں حصّہ لیا اور بار بار ناکامی کے باوجود اس نے ہمت نہ ہاری، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کام یابی کا انحصار زیادہ تر خود اعتمادی اور جدّوجہد پر ہے، لہٰذا وہ اپنی خود اعتمادی اور مستقل مزاجی کے سہارے بازی جیت گیا اور پھر ایک روز وہی غریب ابراہیم لنکن امریکا کے سیاہ و سفید کا مالک تھا۔

دراصل ایسا کوئی قانون نہیں ہے جس کے ذریعے آپ کام یابی حاصل کر سکیں۔ کام یابی حاصل کرنے کے لیے اپنے اندر سچی طلب پیدا کرنا ہوگی اور اپنے اوپر پختہ یقین رکھنا ہوگا۔ اپنے خیالات اور مساعی کا رُخ اپنے نصب العین کی طرف پھیر دیجیے پھر کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی اور کامرانی قدم نہ چومے۔

یقین کی طاقت اور بصیرت کے بل پر ہی ہماری زندگی اعلا یا ادنا، شاندار، عظیم یا کم ترین بن جاتی ہے۔ جو کچھ بننے کی تمنّا ہے جو کام کرنے

کی آرزو ہے اسی آرزو اور مقصد کو سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، ہر وقت سامنے رکھیے اور اس پر اپنی توجہ مرکوز کر دیجیے۔ یہ ہے کام یابی اور مسرت کا فلسفہ۔

دوستی، ایک عظیم رشتہ

جاوید شمیم صِدّیقی کراچی

پُرخلوص اور بے لوث جذبات کا وہ سمندر جس کا کوئی کنارا نہیں، وہ جذبۂ دوستی ہے۔ یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کی ہر لہر کہتی ہے:

د سے دائمی ـــــ و سے وفا

س سے سدا ـــــ ت سے تازہ

ی سے یاد

یعنی "دائمی وفا کے ساتھ سدا یاد تازہ رکھنا"۔

یہ وہ جذبہ ہے جس پر دُنیا کے تمام جذبات قربان کیے جا سکتے ہیں۔ خدا نے جتنے رشتے دنیا میں انسانی تعلقات قایم رکھنے کے لیے بنائے ہیں ان میں سے ہر ایک کا تعلق ایک خاص قسم کے جذبات سے وابستہ ہے۔ خون کا رشتہ، محبت کا رشتہ، دولت کا رشتہ وغیرہ، لیکن دوستی کا رشتہ ان تمام رشتوں سے بالکل الگ ایک مقام رکھتا ہے۔ جس وقت خدا تعالیٰ نے یہ عظیم اور لافانی رشتہ تخلیق کیا تو اس کی بنیاد بے لوث اور پُرخلوص احساسات پر قایم کی۔ دنیا کا کوئی لالچ اس پاک رشتے کی بنیاد کو متزلزل نہیں کر سکتا۔

آج کے دور میں ایک حقیقی اور سچے دوست کا ملنا دشوار سہی، لیکن دوست کے ہوتے ہوئے بھی آپ اس عظیم رشتے کو قایم رکھیے۔ دوستی کیجیے اپنی یادوں سے، اپنے آنسوؤں سے، اپنے غموں سے، اپنے حال سے اور سب سے زیادہ اپنے مستقبل سے، اس طرح آپ اس مقدس اور عظیم جذبے کو زندہ رکھ سکتے ہیں۔ ورنہ یاد رکھیے:

"اس جذبے کا وجود بہت ہی نازک ہے"۔

وطن کے نونہالوں کے نام

شہزاد شاذ، کراچی

اُٹھو سو چکے، اب کہ وقت سحر ہے
ہے منزل نئی اور نئی رہ گزر ہے
دلوں کو مشقت کا عادی بناؤ
ہو کیسی ہی مشکل نظر میں نہ لاؤ
نہ سوچو یہ ہرگز کہ رہ پُرخطر ہے
جو ہے عزم پکا تو آساں سفر ہے
جہاں تک بھی ہو علم حاصل کرو تم
جہالت کی راہوں سے بچ کر چلو تم

تن آسانیوں پر ہی جس کی نظر ہو
بہت ناسمجھ ہے بہت بے خبر ہے
شجاعت کے ہمت کے پیکر بنو تم
یہ لازم ہے تم کو کہ بہتر بنو تم
نگہباں تمہارا خداوندِ عالم
ہیں رہبر تمھارے نبیِ مکرّم

جنوری، شخصیات کے آئینے میں

عابد خان، کراچی

فضل الٰہی چوہدری:

صدر پاکستان چوہدری فضل الٰہی یکم جنوری ۱۹۰۴ء کو پنجاب کے ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۴ء میں زراعت میں گریجویشن ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۶۷ء میں انھیں ہلالِ قائداعظم عطا کیا گیا۔ ۱۹۷۱ء وہ قومی اسمبلی کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ فضل الٰہی چوہدری کو ۱۰ اگست ۱۹۷۳ء کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کا صدر منتخب کیا گیا۔

جمال عبد الناصر:

مصر کے سابق صدر جمال عبدالناصر ۱۵ جنوری ۱۹۱۸ء کو مصر کے شہر اسکندریہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ملک کے مشہور تاجر تھے۔ وہ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد فوج میں بھرتی ہوگئے اور ۱۹۵۴ء کے انقلاب کے بعد انھیں ۱۴ نومبر ۱۹۵۴ء کو مصر کا صدر مقرر کیا گیا۔ انھوں نے مصر پر ۱۶ سال حکومت کی۔

میجر جنرل محمد نمیری:

سوڈان کے موجودہ صدر میجر جنرل غفار محمد نمیری یکم جنوری ۱۹۳۰ء کو اوم درمان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ایک مقامی اسکول میں حاصل کی۔ بعد میں انھوں نے کیناس کالج سے ملٹری سائنس میں اعلا تعلیم حاصل کی۔ ۲۵ مئی ۱۹۶۹ء کو انھوں نے سوشلسٹ انقلاب کی رہنمائی کی اور مسلح افواج کے چیف آف اسٹاف اور وزیر دفاع بنے۔ ستمبر ۱۹۷۱ء کی رائے شماری کے بعد انھیں ملک کا سربراہ مقرر کیا گیا۔

ذوالفقار علی بھٹو:

پاکستان کے وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو ۵ جنوری ۱۹۲۸ء کو پیدا ہوئے۔ بڑے ہوئے تو سیاست میں حصہ لینے لگے۔ ایوب خاں کے دورِ حکومت میں وہ وزیر خارجہ بنے۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۷۱ء کو وہ پاکستان کے چوتھے صدر مقرر ہوئے۔ بعد میں ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء کو وہ پاکستان کے آٹھویں وزیراعظم مقرر ہوئے۔ انھوں نے ملک ترقی اور خوش حالی کے لیے بہت سے کام کیے ہیں۔

حکیم محمد سعید:

حکیم محمد سعید ۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۹ء میں طب کا اعلا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۸ء میں پاکستان آئے۔ ہمدرد دواخانہ قایم کرکے اسے ملک کا

عظیم طبی ادارہ بنادیا۔ ۱۹۶۴ء میں علمی اور رفاہی
کاموں کے لیے ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن قایم کیا۔
آپ اُردو اور انگریزی کی کئی بلند پایہ کتابوں کے
مُصنّف ہیں۔ حکیم صاحب کی ادارت میں کئی معیاری
رسالے شائع ہوتے ہیں۔ ایک حاذق طبیب ہونے
کے علاوہ ممتاز ادیب اور مقرر بھی ہیں۔

چند اور شخصیات

سیّد مظہر علی جعفری، حیدرآباد

بنجمن فرینکلن:

بجلی کو قابو کرنے والا
بنجمن فرینکلن ۱۷، جنوری ۱۷۵۶ء
کو بوسٹن (امریکا) میں پیدا ہوا۔
اس نے آسمانی بجلی کو دریافت کیا۔ وہ سائنس کی
ہر شاخ سے دل چسپی رکھتا تھا۔ "فرینکلن کی انگیٹھی"
اور ڈاکٹری کے کئی آلات اس نے ایجاد کیے۔ امریکا
کی اعلانِ آزادی لکھنے میں بھی اس نے مدد دی۔ ۱۷
اپریل ۱۷۹۵ء کو فلاڈیلفیا (امریکا) میں اس نے
انتقال کیا اور پورے امریکا میں اس کا سوگ منایا گیا۔

مولانا مُحمّد حُسین آزاد:

محمد حسین آزاد ۵ جون ۱۸۳۰ء کو دہلی میں پیدا
ہوئے اور ۲۲ جنوری ۱۹۱۵ء کو لاہور میں وفات
پائی۔ آپ کے والد مولوی محمد باقر نے ۱۸۳۶ء میں
دہلی سے اردو کا پہلا ہفت روزہ اخبار "دہلی اردو
اخبار" نکالا۔ اس طرح مضمون نگاری کی تربیت
آپ کو گھر پر ہی مل گئی۔ اور آپ اردو کے بہت ہی بڑے
مضمون نگار بنے۔ جب آپ کے والد کا انتقال ہوا تو
آپ سب کچھ چھوڑ کر اپنے استاد ذوق کی غزلیں بغل
میں دبا کر پنجاب چلے آئے۔ لدھیانہ میں کئی سال
قیام کیا۔ حکومت کو آپ کی قابلیت کا احساس ہوا
اور آپ کو وسط ایشیا کے ممالک میں بھیج دیا گیا۔ بعد
میں گورنمنٹ کالج لاہور میں ع. بی کے پروفیسر ہوئے۔
۱۸۸۷ء میں حکومت نے آپ کو شمس العلما کا خطاب
دیا جو ہندُستان کا سب سے بڑا علمی اعزاز تھا۔

مارکوپولو:

یورپ کو مشرق سے آشنا کرانے والا مارکو
پولو ۱۲۵۴ء میں وینس (اٹلی) میں پیدا ہوا اور
۹ جنوری ۱۳۲۴ء کو انتقال کیا۔ مارکوپولو نے اپنے سفر
نامے میں مختلف مشرقی ملکوں کی تاریخ اور ان کے رسم و
رواج کا ذکر کیا ہے۔ مارکوپولو کا سفرنامہ ایک مدت تک
یورپ والوں کے لیے ایشیا سے متعلق معلومات کا خزانہ بنا رہا۔

شاہ جہاں:

عظیم الشان عمارتیں بنانے والا بادشاہ شاہ جہاں
۳ جنوری ۱۵۹۲ء کو جہانگیر کے گھر پیدا ہوا اور ایک عظیم الشان
سلطنت کا وارث بنا۔ اُسے خوبصورت عمارتیں بنوانے
کا بہت شوق تھا۔ اس نے اپنی محبوب بیوی ممتاز محل کی یاد
میں تاج محل تعمیر کروایا جو دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔
۲۲ جنوری ۱۶۶۶ء کو وفات پائی اور تاج محل آگرہ میں دفن ہوا

جنوری واقعات کے آئینے میں

اس بار جنوری کے واقعات کئی نونہالوں نے بھیجے ہیں۔ واقعات دل چسپ بھی ہیں اور معلومات افزا بھی۔ پہلے لکھنے والے نونہال کا نام لکھا جا رہا ہے، اس کے بعد واقعات لکھے جا رہے ہیں۔

شاہد محمود، کراچی

یکم جنوری ۱۹۷۲ء کو اقوام متحدہ کے سکریٹری ڈاکٹر کرٹ والڈ ہیم نے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔

۳ جنوری ۱۹۶۶ء۔ تاشقند کانفرنس شروع ہوئی۔

۴ جنوری ۱۹۳۰ء۔ مولانا محمد علی جوہر نے لندن میں وفات پائی۔

۵ جنوری ۱۵۹۲ء مغل بادشاہ شاہجہاں لاہور میں پیدا ہوا۔

۸ جنوری ۱۶۴۲ء۔ اٹلی کا مشہور سائنسداں گلیلو فوت ہوا۔

۹ جنوری ۱۳۲۴ء مشہور سیاح مارکوپولو کا انتقال ہوا۔

۱۰ جنوری ۱۹۷۱ء مصر میں اسوان بند کا افتتاح ہوا۔

۱۷ جنوری ۱۹۵۱ء۔ ایوب خاں پاکستانی افواج کے کمانڈر انچیف بنے۔

۱۷ جنوری ۱۹۶۷ء چین نے ہائیڈروجن کا دھماکا کیا۔

۲۰ جنوری ۱۷۸۰ء۔ برصغیر کا سب سے پہلا اخبار "بنگال گزٹ" جاری ہوا۔

۲۲ جنوری ۱۹۰۱ء۔ انگلستان کی ملکہ وکٹوریہ نے وفات پائی۔

۲۳ جنوری ۱۹۷۳ء۔ سابق امریکی صدر لِنڈن بی جانسن کا انتقال ہوا۔

۲۴ جنوری ۱۹۷۳ء۔ ویت نام میں جنگ بندی سمجھوتے کا اعلان ہوا۔

۲۴ جنوری ۱۹۶۴ء۔ انگلستان کا سابق وزیرِ اعظم سرونسٹن چرچل کا انتقال ہوا۔

۳۰ جنوری ۱۹۷۲ء۔ پاکستان دولتِ مشترکہ سے علاحدہ ہوا۔

مہتاب عالم خاں، سکھر

یکم جنوری ۱۹۵۶ء۔ سوڈان خود مختار بن گیا۔

۲ جنوری ۱۹۷۳ء۔ قومی اسمبلی میں مسودۂ آئین پیش کر دیا گیا۔

۳ جنوری ۱۹۷۲ء۔ شیخ مجیب الرحمن کو غیر مشروط طور پر رہا کیا گیا۔

۴ جنوری ۱۹۷۲ء۔ سونے کی نجی ملکیت ختم نہ کیے جانے کا اعلان۔

۵ جنوری ۱۹۲۲ء یکمیر گر کے صدر کی پیدائش کا دن۔

۶ جنوری ۱۲۹۵ء۔ برطانیہ میں پہلی باقاعدہ پارلیمنٹ کا قیام۔

۷ جنوری ۱۷۵۸ء۔ روس نے پروشیا پر حملہ کر دیا۔
۸ جنوری ۱۷۹۸ء۔ نپولین کی مصر روانگی۔
۹ جنوری ۱۸۲۴ء۔ انگریزوں نے رنگون پر قبضہ کر لیا۔
۱۰ جنوری ۱۹۶۹ء۔ روسی خلائی جہاز کے سیارے کی وینس کی طرف روانگی۔
۱۱ جنوری ۱۹۶۱ء۔ امریکا کا کیوبا پر ناکام حملہ۔
۱۲ جنوری ۱۹۷۲ء۔ شیخ مجیب کو بنگلادیش کا وزیرِ اعظم بنا دیا گیا۔
۱۳ جنوری ۱۴۳۱ء۔ جون آف آرک کو زندہ جلا دیا۔
۱۴ جنوری ۱۹۶۹ء۔ سویوز ۶ روس کے خلائی جہاز کی روانگی۔
۱۵ جنوری ۱۹۶۹ء۔ مغربی پاکستان میں طلبہ اور پولیس کے درمیان جھڑپ۔
۱۶ جنوری ۱۷۷۸ء۔ فرانس نے جمہوریہ امریکا کو تسلیم کر لیا۔
۱۷ جنوری ۱۸۱۲ء۔ نپولین کا روس کے خلاف اعلانِ جنگ۔
۱۸ جنوری ۱۸۷۸ء۔ قبرص برطانیہ کے حوالے کر دیا گیا۔
۱۹ جنوری ۱۸۶۹ء۔ نہر سویز کا باقاعدہ افتتاح۔
۲۰ جنوری ۱۸۹۹ء۔ کلونڈائک میں سونا دریافت کیا گیا۔
۲۱ جنوری ۱۸۹۷ء۔ جزیرہ ہوائی پر امریکا کا قبضہ۔
۲۲ جنوری ۱۹۷۳ء۔ نائیجیریا جانے والا ہوائی جہاز تباہ اور ۱۹۲ حاجی جان بحق ہو گئے۔
۲۳ جنوری ۱۹۴۲ء۔ جاپانی فوجیں "جزائر سولومن" میں اُتاری گئیں۔
۲۴ جنوری ۱۹۵۰ء۔ جنگِ کوریا کا آغاز۔
۲۵ جنوری ۱۸۸۴ء۔ فرانس نے انڈوچائنا کا انتظام سنبھال لیا۔
۲۶ جنوری ۱۸۸۵ء۔ گورڈن کا قتل۔
۲۷ جنوری ۱۹۱۴ء۔ آرک ڈیوک فرانسس فرڈیننڈ کا قتل۔
۲۸ جنوری ۱۹۴۳ء۔ اتحادیوں نے مجرموں پر مقدمہ چلانا شروع کر دیا۔
۲۹ جنوری ۱۸۸۱ء۔ ٹرانسول کی آزادی کو تسلیم کر لیا گیا۔
۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء۔ گاندھی جی کو قتل کر دیا گیا۔
۳۱ جنوری ۱۹۴۳ء۔ امریکی فضائیہ نے جرمنی پر پہلا تباہ کن حملہ کیا۔

محمد مناف حبیب، کراچی

۲ جنوری ۱۹۶۴ء۔ پاکستان میں انتخابات ہوئے۔ محمد ایوب خاں (مرحوم) پاکستان کے صدر منتخب ہوئے۔
۴ جنوری ۱۶۴۲ء۔ مشہور سائنس داں "نیوٹن" پیدا ہوا۔
۵ جنوری ۱۹۲۸ء۔ وزیر اعظم بھٹو پیدا ہوئے۔
۶ جنوری ۱۹۶۴ء۔ جماعتِ اسلامی (پاکستان) کو خلافِ قانون قرار دیا گیا۔
۷ جنوری ۱۹۴۱ء۔ اسکاوٹ تحریک کے بانی "لارڈ بیڈن پاول" کی وفات ہوئی۔
۸ جنوری ۱۸۷۷ء۔ علی گڑھ کالج کا افتتاح ہوا۔
۹ جنوری ۱۹۷۴ء۔ نواب صدیق علی خاں کا

انتقال ہوا۔

۱۰ جنوری ۱۹۴۶ء۔ لندن میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کا پہلا اجلاس ہوا۔

۱۱ جنوری ۱۹۵۰ء۔ "چالنا بندرگاہ" کے قیام کا اعلان ہوا۔

۱۲ جنوری ۱۹۴۵ء۔ البانیہ آزادی حاصل کرنے کے بعد جمہوریہ بنا۔

۱۳ جنوری ۱۹۶۱ء۔ پاکستان میں دوسری مردم شماری ہوئی۔

۱۷ جنوری ۱۷۰۶ء۔ آسمانی بجلی کو دریافت کرنے والا "بنجمن فرینکلن" پیدا ہوا۔

۱۸ جنوری ۱۹۶۸ء۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو "اگرتلہ" سازش کیس میں گرفتار کیا گیا۔

۲۲ جنوری ۱۶۶۶ء۔ ۷۴ سال کی عمر میں "شاہجہاں" کا انتقال ہوا۔

۲۳ جنوری ۱۹۶۳ء۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے وزیرِ خارجہ بنے۔

۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء۔ "جنرل ایدی امین" برسرِ اقتدار آگئے۔

۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء۔ بھارت جمہوریہ بنا۔

۲۷ جنوری ۱۹۶۹ء۔ برما کے صدر "نیون" کی پاکستان آمد۔

۳۰ جنوری ۱۸۸۲ء۔ "روز ویلٹ" پیدا ہوئے۔

قاسم علی قاسمی، کراچی

یکم جنوری ۱۹۷۴ء۔ پاکستان میں تمام بنکوں کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔

۲ جنوری ۱۸۶۲ء صفی لکھنوی لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔

۲ جنوری ۱۸۶۹ء ثاقب لکھنوی آگرے میں پیدا ہوئے۔

۳ جنوری ۱۹۴۸ء۔ پاکستانی نوٹ اور سکے جاری ہوئے۔

۵ جنوری ۱۹۱۲ء مطابق ۱۵ محرم ۱۳۳۰ ہجری) مشہور شاعر حفیظ ہوشیارپوری ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے۔

۸ جنوری ۱۹۲۶ء۔ شاہ سعود نے شاہِ حجاز کی حیثیت سے جدہ میں اپنی شہنشاہیت کا اعلان کیا اور اس طرح سعودی عرب کی موجودہ سلطنت قائم ہوئی۔

۹ جنوری ۱۹۲۰ء۔ مشہور دانش ور حکیم محمد سعید دہلی میں پیدا ہوئے۔

۱۰ جنوری ۱۹۷۳ء حفیظ ہوشیارپوری کا انتقال ہوا۔

۱۷ جنوری ۱۹۷۶ء۔ ریڈیو پاکستان کا سب سے طویل العمر پروگرام "حامد میاں کے ہاں" کا آخری پروگرام نشر ہوا۔

۲۱ جنوری ۱۹۷۲ء حکومتِ پاکستان نے ملک میں موجود زمرد کی کانوں کو قومی ملکیت میں لے لیا۔

۲۹ جنوری ۱۹۷۰ء۔ چین نے مزارِ قائدِ اعظم کے لیے فانوس دیا۔

۳۱ جنوری ۱۹۵۱ء۔ مشہور شاعر سیماب اکبرآبادی کا کراچی میں انتقال ہوا۔

معلوماتِ عامہ ۱۲۷ کے صحیح جوابات

نومبر ۱۹۷۶ء کے ہمدرد نونہال میں معلوماتِ عامہ ۱۲۷ کے جو سوالات شائع ہوئے تھے اُن کے صحیح جوابات یہ ہیں۔

۱۔ خانۂ کعبہ سے قبل مسلمانوں کا قبلہ "بیت المقدس" تھا۔

۲۔ مشہور ماہر فلکیات، جغرافیہ داں اور ریاضی داں بطلیموس (PTOLEMY) کی سب سے عظیم اور شہرہ آفاق تصنیف "المجسطی" ہے۔

۳۔ مرزا غالب نے ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو دہلی میں وفات پائی۔

۴۔ ملکہ الزبتھ دوم کے شوہر کا نام فلپ ماؤنٹ بیٹن ڈیوک آف ایڈنبرا ہے۔

۵۔ سعودی عرب کی مشہور بندرگاہ جو مکۂ معظمہ سے مغرب کی جانب ۴۸ میل کے فاصلے پر بحیرۂ قلزم کے کنارے واقع ہے اس کا نام جدہ ہے۔

۶۔ ہمیں ناخن اور بال کاٹتے وقت تکلیف اس لیے نہیں ہوتی کہ ان میں حساس خلیے نہیں ہوتے۔

۷۔ حسن پاشا صاحب جو ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے، ۱۹۳۲ء سے شعر کہہ رہے ہیں۔ آج کل ہمدرد دواخانہ وقف میں اسٹورس منیجر ہیں۔ شعر و ادب کا شوق رکھنے والے ان کو شاعر لکھنوی کے نام سے جانتے ہیں۔

۸۔ علی برادران سے مُراد مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی ہیں۔

۹۔ یہ مشہور شعر مولانا ظفر علی خان کا ہے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

۱۰۔ شیخ حسن البنا شہید مصر کی مشہور انجمن "اخوان المسلمین" کے بانی تھے۔

صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

حافظ مظفر محسن لاہور
سید مظہر علی شہداد پور
شیر افضل خان ہزارہ
محمد ادریس احمد رحیم یار خان
نصیر احمد شیخ جیکب آباد
محمد علی ٹنڈو الہ یار

کوٹری

سید خورشید انور
مرزا فرید عالم

لائل پور

غلام معین الدین نتھا
گگو شیخ
غلام محی الدین اورنگ

سکھر

عندلیب ناز
امجد خورشید
عرفان علی بٹ
الطاف حسین فاروقی
لیاقت خورشید
عرفان خورشید
سلیم خورشید
جاوید خورشید
افضل حسین فاروقی
محمد ادریس میمن
محی الدین
امین الدین
نعیم الدین

حیدر آباد

مرزا التصور عالم
عبدالنعیم خان شاہین
شہزاد انور
شہناز عطا الرحمان
عبداللہ محمود
لیاقت علی عباسی
سہیل عظیم
شہلا افروز
فہیم احمد خان
ارشد علی خان
ذی شان احمد خان
وسیم حیدر زیدی

میرپورخاص

آنسہ شاکرہ ناز
آنسہ شمیم ناز
نسرین اختر ناز
ایم مبارک علی قریشی
راجہ ظفر محمود
نکہت یاسمین
فرحت جبین
گلنار خانم
محمد سلیم ملک
محمد نعیم ملک
فرحت پروین
مرزا محمود بیگ
نثار احمد وارثی
نذر محمد وارثی
محمد اشفاق احمد خان
عثمان غنی
مسرت پروین
نسیم ناز
آنسہ محمودہ ظفر
راجہ جاوید اقبال
راجہ مظفر اقبال
سلیمہ بانو

فضیلت بانو
شگفتہ اختر
عشرت بانو
نصرت پروین
محمد افروز خان
نجمہ پروین
سلمہ پروین

کراچی

محمد امین قریشی
محمد رفیق عبدالکریم
محمد حنیف قاسم
آنسہ ریحانہ صدیقی
شمیم احمد صدیقی
محمد یوسف خان رئیس
محمد منیر عالم خان
محمد اقبال حاجی عثمان بارا پوریا
سید احمد جاوید ہاشمی
سید اظہار احمد زیدی
محمد اسلم ابراہیم
ارشد محمود

سید شکیل جاوید ہاشمی
عصمت کمال
سید انوار احمد زیدی
عبدالخالق عبداللطیف بارا پوریا
محمد عبداللطیف بارا پوریا
سید انیس الحسن
جمال احمد صدیقی
احتشام الدین اطہر
فہیم الدین
مجتبیٰ افضل
عارف خان
ندیم صدیق
جمال ناصر
رضوانہ بیگم
شگفتہ سعید
محمد جعفر ابراہیم
راشد خان
زاہدہ سلیمان سلیم
محمد عثمان بلو
فلک ناز

نیاز احمد
طیب حسین بھٹی
ساجد اسلام بھٹی
ایم ادریس آدم غازی
محمد اسد منیر کھوکھر اسدی
تنویر احسن
انور محمود انصاری
محمد رؤف
وسیم الدین صدیقی
شرافت اللہ
محمد حنیف علی محمد لاکھانی
زبیر عثمان
حسن عثمان
سعیدہ خاتون
محمد فاروق
محمد اقتدار عالم خان
نسیم احمد فاروقی
شہریار ظفر چوہدری
فریدالدین احمد قریشی
محمد حفیظ اور عبدالقادر زیب

صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصویریں

محمد منیر عالم خان - کراچی

محمد یوسف - کراچی

محمد اقبال حاجی عثمان بارلوریا کراچی

مرزا محمود بیگ، میرپور خاص

فلک ناز - کراچی

مجتبیٰ افضل - کراچی

فہیم الدین - کراچی

انور محمود انصاری - کراچی

محمد فاروق - کراچی

الطاف حسین فاروقی، پراناسکھ

جمال احمد صدیقی - کراچی

محمد حنیف علی محمد لاکھانی

محمد اقتدار عالم خان - کراچی

نثار احمد وارثی - میرپور خاص

مرزا تصوّر عالم، حیدر آباد

محمد امین قریشی - کراچی

شمیم احمد صدیقی

محمد حنیف قاسم، کراچی

سید احمد جاوید ہاشمی - کراچی

سید اظہار احمد زیدی - کراچی

سہیل عظیم۔ لطیف آباد

شہزاد النور۔ لطیف آباد

عبدالقادر زیب۔ کراچی

محمد حفیظ۔ کراچی کینٹ

نسیم احمد فاروقی، کراچی

سید انوار احمد زیدی، کراچی

راشد خان، کراچی

طیب حسین بھٹی، کراچی

تنویر احسن، کراچی

عصمت کمال، کراچی

محمد اسلم ابراہیم۔ کراچی

سید شکیل جاوید ہاشمی، کراچی

وسیم الدین صدیقی۔ کراچی

عبدالستار بارا پوریا، کراچی

محمد توف، نیو کراچی

عبدالنعیم خان شاہین، لطیف آباد

مرزا فرید عالم، کوٹری

محمد ادریس میمن، سکھر

نصیر احمد شیخ، حبیب آباد

نفیس احمد، رحیم یار خان

غلام محی الدین اورنگ، لائلپور

گگو شیخ، لائل پور

محمد حسین ڈیسائی، کراچی

محمد سلیم عبدالستار، کراچی

محبوب محمد حسین، کراچی

ایک غلط جواب بھیجنے والوں کے نام

محمد خان مسعود۔ مکڑوال میانوالی
عبدالسلام ساہیوال
محمد ادریس احمد رحیم یار خان
اعظم علی خان نواب شاہ
یاسمین عمر ٹنڈو جام
شیخ احمد نعیم جھنگ صدر
دل امداد علی راہی امروٹ شریف

گوجرانوالہ

نیر اعجاز احمد
امتیاز احمد

لاہور

سیدہ زائرہ رضوی
محمد جرار خان
محمد آصف شیروانی
بالو چودھری صفدر علی

میرپورخاص

سلیم اختر قائم خانی
سید ضامن عباس جعفری
لیاقت راہی

سکھر

عرفان نگہت
ایم اسلام الدین
کلیم الدین خان
سید اسعد مہدی
محمد سہیل قریشی
محمد نعیم
محمد طاہر خان یوسفی
حنا نکہت

حیدرآباد

فرخ وزیر
طارق اسحاق
جاوید اقبال راہی
شہزادی لال
جاوید رشید
مشہود احمد خان
شاہد زیب
ساجد رزاق
سید مظہر علی جعفری
عبداللہ میمن
سہیل رشید
ندیم رفعت
اعجاز جنیدی
سعید احسن
نجم السحر آفریدی
محمد طارق اللہ

کراچی

پونجا دیوان کرشن
ملک زاہد حسین
محمد مناف حبیب
محمد اکمل منہاس
محمد امین
معراج الحق
نور رحیم خان
عمر رحیم خان
قدیر احمد
محمد وسیم مرزا
بشیر مرزا
محمد امین محمد حسین
محمد اقبال خان
منیر اقبال
عبدالقیوم
محمد خالد سلیم
شاہد رزاق

عبدالسمیع
محمد منور طرزی
جیلانی یوسف
سلمان رضوان
سید عبدالباسط عتیقی
خالد مقبول
جاوید اقبال
فریدہ عبداللطیف میمن
انیلا حبیب طیّب
محمد الطاف حسین میمن
محمد نعمان خان
محی الدین اکبر
زاہد سلطان نظامی
محمد عبدالرحمان
صائمہ رانا
مشتاق احمد چنگیزی
اقبال حسین
فہیم صدّیقی
خورشید جمال
حبیب فخر حبیب ہمدانی
محمد اکرم صدّیقی
خورشید احمد خان
طلاع محمد
جاوید عبدالغفار
سعید احمد
محمد ظہیر الحسن
عقیل احمد آرائیں
محمد حنیف
مظہر اقبال آفندی
محمد رفیق قاسم
محمد عارف عباس
کاشف رحمان رانا
ندیم احمد ملک

پُرانے الفاظ، نئے معنی

لطیفہ: جس پر ہنستے سب ہیں مگر جسے سمجھتے صرف چند ہی ہیں۔

نصیحت: جس کا کرنا آسان اور جس پر عمل مشکل ہو۔

سال: تین سو پینسٹھ نا امیدیوں کا مجموعہ۔

دوست: وہ دو آدمی جن کے دشمن ایک ہی ہوں۔

تجربہ: ماضی کی غلطیوں کا حسین نام۔

جج: وہ محترم شخصیت جو یہ فیصلہ کرے کہ فریقین میں سے کس کا وکیل ہوشیار ہے۔

امن: دو لڑائیوں کے درمیان ستانے کا وقفہ۔

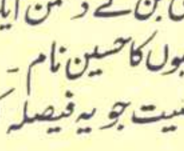

اس شمارے کے مشکل الفاظ

مَتانت ۔ سنجیدگی
ضَرب ۔ مار، چوٹ
ماہیّت ۔ اصلیت، حقیقت
شامَت ۔ بُرے دن آنا، بدنصیبی
مَسنَد ۔ تکیہ گاہ، گدّی، گاؤ تکیہ
تَخفِیف ۔ کمی، ہلکا کرنا
خَلِش ۔ کھٹک، چُبھن
تَن دہی ۔ محنت، مشقت
عَقِیدت ۔ گرویدگی، محبّت
تَحَمُّل ۔ ضبط، صبر
شائستہ ۔ لائق، مہذّب
مُوانَسَت ۔ باہمی اُنس، محبت
وَصف ۔ تعریف، خوبی، صفت
تیرگی ۔ اندھیرا، سیاہی، دھندلاپن
مَغمُوم ۔ غمگین، سیاہی
حَسرَت ۔ تمنّا، ہوس
عُمدَگی ۔ خوبی، نفاست، بہتری
ذِلّت ۔ خواری، بے عزّتی
حَوادِث ۔ حادثے کی جمع، واقعہ مصیبت

بَدگُمانی ۔ بُرا خیال کرنا، خراب خیالی
نِگہبان ۔ چوکی دار، محافظ، پہرے دار
رَازِق ۔ رزق دینے والا
قُدُّوس ۔ پاک خدا تعالیٰ کا نام
تَخَیُّل ۔ خیال کرنا، تصوّر کرنا
خوشہ ۔ گُچھا، اناج کی بالی
عِناد ۔ دُشمنی، عداوت
قِرطاس ۔ کاغذ
غَیرت ۔ شرم، حیا، حمیّت
دُوبھر ۔ مشکل، ناگوار
فُرقَت ۔ جدائی
تَمازَت ۔ گرمی
تَپاک ۔ گرم جوشی، خاطر مدارات
مُعَمَّر ۔ بوڑھا، زیادہ عُمر والا
ہِجر ۔ جُدائی
تَشَدُّد ۔ سختی، زیادتی
بَغاوَت ۔ نافرمانی، غدر
تَقدِیر ۔ نصیب، قسمت
اِصرار ۔ تاکید، تکرار

حلقۂ دوستی

۱۶ سال سے زائد عمر کے نونہال فارم شائع ہونے کے لیے نہ بھیجیں۔ لڑکیاں اپنے فارم حلقۂ دوستی میں اشاعت کے لیے نہ بھیجیں۔

ظفر محمود

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، کرکٹ کھیلنا، فٹ بال کھیلنا۔

پتا: بلاک ڈی، کوارٹر نمبر ۶، ریلوے پولیس اسٹیشن، میرپور خاص

قاسم کچھی

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، قلمی دوستی کرنا، معلومات۔

پتا: نور محمد بھٹی، ایوب اسٹور، جمعہ کمپاؤنڈ، نیو کمہارواڑہ روڈ، کراچی

محمد فاروق

عمر: ۱۲ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا، نونہال پڑھنا۔

پتا: فاروق منزل ۱۰۵۵ کالھوبازار نزد ٹاؤن ہال، میرپور خاص

منصور احمد بھٹی

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا: نیو پلاٹ، ہوروٹہ مکان بی ۳۳ سی II۔ نواب شاہ (سندھ)

ربیع الزماں خان

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: دہم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، ٹکٹ جمع کرنا، نونہال پڑھنا۔

پتا: کوارٹر نمبر ۵۹۵ - بی/۵۱ کورنگی نمبر ۶، کراچی

عبد الجبّار

عمر: ۱۳ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، ٹکٹ جمع کرنا، نماز پڑھنا۔

پتا: مارٹن کوارٹرز، بغدادی مسجد، جباریان ہاؤس۔ کراچی

شکیل احمد

عمر: ۱۱ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا، نونہال پڑھنا۔

پتا: ۷/۳۰/اے/ ۵۱/اے لانڈھی کالونی نمبر ۴۔ کراچی

محمد علی مغل

عمر: ۱۳ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، ہاکی کھیلنا، مصوری۔

پتا: ۶۳ - ای/۲۷ گنج بخش شاہ کا پڑ۔ حیدرآباد، سندھ

کھتری محمد علی
عمر: ۱۲ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا: مزاج علی، کھتری پاڑہ گل شاہ روڈ۔ حیدر آباد۔ سندھ

ناصر احمد خاں
عمر: ۱۳ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا۔

پتا: ۲۵۳ حیدر آباد کالونی۔ کراچی نمبر ۵ (سندھ)

منیر احمد عباسی
عمر: ۱۰ سال — تعلیم: ششم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا اور دوست بنانا۔

پتا: نزد بغدادی پولیس اسٹیشن۔ کراچی ۲

محمد جاوید جان
عمر: ۱۶ سال — تعلیم: دہم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، ہاکی کھیلنا، قلمی دوستی کرنا۔

پتا: مکان نمبر ۳۶۰/سی۔ بلاک ڈی۔ یونٹ نمبر ۶۔ لطیف آباد حیدرآباد

طارق امین
عمر: ۱۶ سال — تعلیم: فرسٹ ائیر

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، خطوط کے جواب دینا، ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا: ۲۰۲/اڈرگ کالونی، کراچی ۲۵

عبداللطیف دشتی بلوچ
عمر: ۱۳ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: نماز پڑھنا، فٹ بال کھیلنا۔

پتا: غریب کریانہ اسٹور، تربت، مکران (بلوچستان)

طارق نوید خان
عمر: ۱۰ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: فٹ بال کھیلنا، حلقۂ دوستی پڑھنا۔

پتا: ۲۶/۱۳۱ کے ایریا، کورنگی حسن آباد۔ کراچی نمبر ۳۱

سہیل احمد عثمانی
عمر: ۱۶ سال — تعلیم: دہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، ریکارڈ اور ٹکٹ جمع کرنا، تحفہ بھیجنا۔

پتا: اے ۵/۹۰۶۔ لیاقت آباد، کراچی نمبر ۱۹

مظہر عاطف
عمر: ۱۵ سال — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: افسانہ نگاری، قلمی دوستی، نونہال پڑھنا

پتا: معرفت میونسپل ڈسپنسری چنڈیالہ روڈ، شیخوپورہ۔ لاہور

عدنان فصیح
عمر: ۱۰ سال — تعلیم: چہارم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی، کرکٹ کھیلنا

پتا: ۱۵/۱۲۰۔ دستگیر سوسائٹی۔ الف بی ایریا، کراچی

عامر حبیب
عمر: ۹ سال — تعیم: چہارم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، ہاکی کھیلنا۔

پتا: ۳۳-سی ناظم آباد نمبر ۴ کراچی

معین الدین
عمر: ۱۵ سال — تعلیم: دہم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا: مکان نمبر ۱۸۵/اے۔ بلاک ایل۔ نارتھ ناظم آباد، کراچی

محمد حسن بلوچ
عمر: ۱۴ سال تعلیم: ہفتم
دل چسپیاں: قلمی دوستی، فٹ بال کھیلنا۔
پتا: گورنمنٹ ہائی اسکول گوادر، مکران (بلوچستان)

بشیر احمد قائم خانی
عمر: ۱۳ سال تعلیم: ہشتم
دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، نونہال پڑھنا۔
پتا: معرفت محمد ایوب کریانہ مرچنٹ کھپرو ضلع سانگھڑ (سندھ)

حماد احمد ہاشمی
عمر: ۷ سال تعلیم: سوم
دل چسپیاں: ڈرائنگ کرنا، بچوں کے رسالے پڑھنا۔
پتا: مکان نمبر ۷، ۴/۱۱ - میاں چنوں، ضلع ملتان

محمد شریف
عمر: ۱۶ سال تعلیم: میٹرک
دل چسپیاں: غیر ملکی بہن بھائیوں کو سے دوستی کرنا، کرکٹ کھیلنا۔
پتا: آزاد برانڈ کینڈل مینوفیکچرز۔ مارکیٹ روڈ، حیدرآباد

پیر بخش عارف
عمر: ۱۶ سال تعلیم: دہم
دل چسپیاں: کہانیاں پڑھنا، قلمی دوستی کرنا، موٹر سائیکل چلانا
پتا: پیر بخش ہوٹل۔ جماعت دہم، دیات رکینی بیٹ، بلوچستان

محمد عامر بری
عمر: ۱۶ سال تعلیم: میٹرک
دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، ہاکی کھیلنا، نونہال پڑھنا
پتا: اے/۵۵ حسین ڈی سلوا ٹاؤن - بلاک بی، کراچی

عبدالرزاق شوکت
عمر: ۱۶ سال تعلیم: انٹر
دل چسپیاں: معلوماتِ عامّہ، قلمی دوستی۔
پتا: معرفت محمد ابراہیم، آئیل اینڈ کاٹن مشین، ایم اے جناح روڈ، سانگھڑ

محمد حنیف غفار
عمر: ۱۲ سال تعلیم: ششم
دل چسپیاں: قلمی دوستی، کرکٹ کھیلنا، کیرم کھیلنا، ٹکٹ جمع کرنا۔
پتا: ۷۹/۱۱ - روم نمبر ۱۲ - دریالال اسٹریٹ، جوڑیا بازار - کراچی

توقیر احمد
عمر: ۱۶ سال تعلیم: بی۔ ایس۔ سی
دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، کرکٹ کھیلنا، قلمی دوستی، نونہال پڑھنا۔
پتا: ۴۹۲/۴ - ڈرگ کالونی۔ کراچی نمبر ۲۵

خاور بیگ خاور
عمر: ۱۵ سال تعلیم: نہم
دل چسپیاں: قلمی دوستی، معلومات، ٹکٹ جمع کرنا، مطالعہ کرنا۔
پتا: کوارٹر نمبر ۲/۱۳۳ وارڈ نمبر ۲، سرفراز کالونی۔ حیدرآباد (سندھ)

ندیم احمد نثار
عمر: ۱۲ سال تعلیم: ششم
دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا اور دوستی کرنا۔
پتا: ۴-ای ۲/۸ ناظم آباد، کراچی

شوکت علی موٹن
عمر: ۱۵ سال تعلیم: فرسٹ ائیر
دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، ٹکٹ جمع کرنا، معلومات کرنا۔ ہاکی کھیلنا۔
پتا: معرفت میمن ہسپتال، ہسپتال روڈ۔ حیدرآباد

سید اطہر علی

عمر: ۱۵ سال　　تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: کھیلنا، ٹکٹ جمع کرنا، تحفے کا تبادلہ کرنا۔

پتا: مکان نمبر اے/۵۵۔ گلی نمبر ۸ جناح آباد نمبر ۲ صدیق وہاب روڈ، کراچی

امان اللہ

عمر: ۱۴ سال　　تعلیم: ششم

دل چسپیاں: دوستی کرنا، لکھنا پڑھنا۔

پتا: فلیٹ نمبر ۳۱۲۔ نشتر روڈ۔ شو مارکیٹ۔ کراچی نمبر ۳

شاہد الیاس شاہد

عمر: ۱۶ سال　　تعلیم: فرسٹ ائیر

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، ٹکٹ جمع کرنا، مطالعہ اور سیر و تفریح۔

پتا: دکان نمبر ۴ فخر محی اسکوائر، فقیر کا پڑ۔ حیدر آباد (سندھ)

مبارک علی بڈھا

عمر: ۱۷　　تعلیم: نویں

دل چسپیاں: فٹ بال کھیلنا۔ دوستی کرنا، گھومنا۔

پتا: محمد علی ٹبالوی۔ شاہی بازار۔ میر پور خاص

سید باقر حسین نقوی

عمر: ۱۶ سال　　تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: فٹ بال کھیلنا، قلمی دوستی کرنا۔

پتا: کوارٹر نمبر ۸، ۳۷/بی۔ یونٹ نمبر ۱۰، لطیف آباد۔ حیدر آباد

ضیا الاسلام پرنس

عمر: ۱۳ سال　　تعلیم: نہم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا۔ قلمی دوستی کرنا۔

پتا: معرفت حفیظ الرحمان۔ پوسٹ بکس نمبر ۴۳۔ لائل پور

الہی بخش طاہر

عمر: ۱۶ سال　　تعلیم: انٹر

دل چسپیاں: ملک اور غیر ملکیوں سے قلمی دوستی کرنا

پتا: ڈی ۲، حسن اسکوائر۔ یونی ورسٹی روڈ۔ گلشن اقبال، کراچی

عمران باسط

عمران: ۱۱ سال　　تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، مصوری، نونہال پڑھنا، ٹکٹ جمع کرنا

پتا: مکان نمبر ۲۱۲۲۔ ہیر رانجھا روڈ۔ پی اے ایف کیمپ۔ بڈھیڑ، پشاور

محمد رفیق بھٹی

عمر: ۱۶ سال　　تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا۔ فٹ بال کھیلنا، نونہال پڑھنا

پتا: مکان نمبر ۱۵ ۲۵ سی۔ مریم روڈ، نواب شاہ

مسعود رفیق

عمر: ۱۶　　تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: قلمی دوستی، نونہال پڑھنا

پتا: ۱۵/۳۶، ۱۷۔ گلشن مصطفیٰ سوسائٹی۔ فیڈرل بی ایریا۔ کراچی ۳۶

صغیر خان زادہ

عمر: ۱۵ سال　　تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: قلمی دوستی، خط کا جواب جلد دینا۔ نونہال پڑھنا

پتا: مکان نمبر ۶۴۔ محلہ اقبال لائن۔ ٹنڈو الہ یار (سندھ)

محمد الیاس

عمر: ۱۶ سال　　تعلیم: فرسٹ ائر

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹوں کا تبادلہ، موسیقی

پتا: ۶۵۴/سی بٹالہ کالونی۔ نزد پولیس چوکی۔ لائل پور، پنجاب

حکیم محمد سعید پبلشر نے زین پیکیجنگ انڈسٹریز کراچی میں چھپوا کر ادارہ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد، کراچی ۱۸ سے شائع کیا۔

فساد خون سے بچنے کے لئے صافی بہتر ہے

خون میں سرائیت کئے ہوئے فاسد مادے
پھوڑے، پھنسیوں اور کئی دوسری جلدی بیماریوں
کو جنم دیتے ہیں۔ اِن سے بچنے کے لئے صافی باقاعدگی
کے ساتھ استعمال کیجئے۔ یہ خون کی صفائی اور جلدی بیماریوں سے
محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے۔

ہمدرد ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان

جنوری ۱۹۷۷ عیسوی ہمدرد نونہال رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۹۰۳